تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار　　لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریک خلافت پاکستان کا ترجمان

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

بانی : اقتدار احمد مرحوم　　۱۰/ دسمبر ۱۹۹۷ء　　مدیر : حافظ عاکف سعید

وادی گلزار . . . وادی پر خار*

وادیاں دو طرح کی ہوتی ہیں' ایک وادی پر خار اور دوسری وادی گلزار۔ وادی پر خار تو یہ ہے کہ راستہ میں کانٹے بچھے ہوں' بلکہ انگارے بچھے ہوں اور وادی گلزار یہ ہے کہ ترغیبات' ترقی کرنے کے مواقع' انعامات' بڑی بڑی آسامیاں اور بڑے بڑے عہدے' یہ وادی گلزار ہے۔ کبھی وادی پر خار مشکل ہوتی ہے اور کبھی وادی گلزار' لیکن بہت سے تجربہ کاروں کا کہنا ہے کہ وادی گلزار' وادی پر خار سے زیادہ دشوار گزار ہے۔ ترغیبات' تربیبات اور تعزیرات کے مقابلہ میں زیادہ موثر ہوتی ہیں۔ امام احمد بن حنبل" کو معتصم باللہ نے خلق قرآن کے عقیدہ پر مجبور کرنا چاہا کہ امام صاحب اس مسئلہ پر اپنے دستخط کر دیں۔ انہوں نے انکار کیا تو معتصم باللہ نے ان کو ڈرایا' دھمکایا' وہ نہیں مانے تو ان کو دربار میں بلایا اور کہا کہ احمد' تم اگر میری بات مان لو گے تو میرے ولی عہد کی طرح میرے محبوب و مقرب بن جاؤ گے اور اس جگہ پر بیٹھو گے۔ انہوں نے کہا' امیر المومنین! کتاب و سنت سے کوئی دلیل لایئے تو میں اس کو مان لوں گا۔ وہ جھنجلایا اور اس نے جلاد کو حکم دیا اور اس نے ایک کوڑا پوری طاقت کے ساتھ مارا۔ جلاد کہتا ہے کہ واللہ وہ کوڑا اگر ہاتھی پر بھی پڑتا تو وہ چنگھاڑ مار کر بھاگ جاتا' لیکن وہ برابر کوڑے کھاتے رہے۔ اس کے بعد ایک دوسرا دور آیا جب معتصم کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا متوکل تخت پر بیٹھا' اس نے امام احمد بن حنبل" کو طلب کیا اور ان کی بڑی خاطر مدارت کی۔ امام صاحب اپنے ساتھ کچھ زاد راہ لے گئے تھے (ستو یا اسی طرح کی کوئی اور چیز) جب کھانے کا وقت آتا امام صاحب وہی کھا لیتے اور شاہی کھانوں کو ہاتھ تک نہیں لگاتے تھے۔ بعد میں خلیفہ متوکل نے اشرفیوں کے توڑے بھیجنے شروع کئے' تو امام صاحب نے فرمایا کہ معتصم کے کوڑوں سے زیادہ متوکل کے توڑے میرے لئے امتحان کا سبب ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ حکومتیں کبھی یہ کرتی' کبھی وہ کرتی ہیں' کبھی یہ سمجھتی ہیں کہ یہ کوڑے سے دب جائے گا' تو کوڑے دکھاتی ہیں اور جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوڑے سے نہیں دبے گا' تو توڑے پیش کرتی ہیں' یہ منزل بڑی سخت ہوتی ہے۔

(اقتباس از "حدیث پاکستان" تالیف : مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

عاکف سعید

صدر کا استعفاء

حکومت اور عدلیہ کے مابین کئی ماہ پر محیط اعصاب شکن تنازعہ کے بعد جس نے گزشتہ ہفتے سے نہایت شدت اختیار کر لی تھی اور خواص ہی کی نہیں عام آدمی کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو بھی مفلوج کر دیا تھا' حالات کا اونٹ بالآخر ایک کروٹ بیٹھ ہی گیا۔ صدر پاکستان فاروق احمد خان لغاری کے استعفاء کی خبر خواہ کسی کے لئے خوشی اور مسرت کا پیغام لائی ہو یا کسی کے لئے باعث رنج والم بنی ہو' یہ بات یقینی ہے کہ اس شدید اعصابی تناؤ کو رفع کرنے کا موجب بنی ہے جس کی اذیت نے پوری پاکستانی قوم کو بے حال کیا ہوا تھا ـــــ غیب کی خبر صرف اللہ کو معلوم ہے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ مستقبل میں حالات کون سا نیا ٹرن لیں گے' لیکن متحارب فریقوں میں سے ایک کے اعلان دستبرداری سے وقتی طور پر حالات میں یقیناً ٹھہراؤ پیدا ہو گا اور گمان غالب ہے کہ ملک میں جمہوریت کی گاڑی از سرنو "ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا" کی سی شان کے ساتھ اپنے سفر کا آغاز کرے گی' گو یہ اندیشہ بھی موجود ہے کہ آئندہ جمہوریت کے لبادے میں آمریت جلوہ فگن ہو گی۔

صدر پاکستان نے استعفاء دے کر ایک اچھی روایت کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس جنگ میں ان کی شکست اگرچہ اب تقریباً یقینی تھی تاہم وہ اگر چاہتے تو اس اعصاب شکن صورتحال کو مزید دو اڑھائی ماہ طول دے سکتے تھے۔ جناب فاروق احمد خان لغاری کے اس احسان کو بھی قوم فراموش نہیں کر سکتی کہ انہوں نے پیپلز پارٹی سے اپنے طویل سیاسی تعلق کے باوجود' یہ دیکھتے ہوئے کہ بے نظیر بحیثیت وزیراعظم عوام میں نفرت کی علامت بن چکی ہیں اور قوم کے اعصاب پر آسیب کی طرح مسلط ہیں' صدر پاکستان کی حیثیت سے ایک جرات مندانہ فیصلہ کرتے ہوئے قوم کو بے نظیر حکومت سے نجات دلائی اور وعدہ کے مطابق نوے دن کے اندر اندر نئے الیکشن کروا کر نئی منتخب شدہ سیاسی پارٹی مسلم لیگ کو اقتدار منتقل کرنے میں کسی جھجک کا مظاہرہ نہیں کیا۔

بحران کا شدید ریلا اگرچہ گزر چکا ہے اور بظاہر کسی نئے فوری بحران کی توقع بھی اب نہیں ہے تاہم اس اہم سوال کا کوئی واضح جواب اب تک سامنے نہیں آ سکا کہ آیا یہ بحران محض دو افراد یعنی وزیراعظم پاکستان اور چیف جسٹس آف پاکستان کی ذاتی مخاصمت اور انا کی جنگ کا شاخسانہ تھا یا اس کے پس پردہ کوئی گہرے عوامل کارفرما تھے اور کسی مخصوص ہدف کا حصول اس سے پیش نظر تھا ـــــ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ نواز شریف صاحب ایک سول ڈکٹیٹر کے طور پر ابھر رہے تھے اور تیرھویں اور چودھویں ترمیم کے نتیجے میں ایک مطلق العنان فرمانروا کے طور پر انہوں نے اپنی سیاسی پوزیشن اور اقتدار کی کرسی کو مستحکم کر لیا تھا۔ گو یہ بات درست ہے کہ ان کی مقبولیت کا گراف خاصا نیچے آ چکا تھا لیکن تاحال وہ عوامی حمایت سے محروم نہیں ہوئے تھے' پھر یکایک کیا افتاد آن پڑی کہ ان کی مسند اقتدار کے آہنی پائے' پائے چوبیں بن کر ڈگمگانے لگے اور انہیں اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے تمام جمہوری اور اخلاقی اصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے عدلیہ جیسے محترم ادارے کے تقدس کو داؤ پر لگانا پڑا اور چیف آف آرمی سٹاف کی بھی دہائی دینا پڑی ـــــ گو بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہ سب کچھ محض چیف جسٹس سے سینگ پھنسانے کا نتیجہ تھا اور اس کے پس پشت کسی مخفی محرک کی تلاش کی کوشش محض وقت کا ضیاع ہو گا۔ تاہم اس رائے میں کچھ زیادہ وزن نظر نہیں آتا ـــــ ایک سینئر صحافی نے جو روزنامہ جنگ کے مستقل کالم نگار ہیں' یہ رائے ظاہر کی ہے کہ ہمارے ملک کے باشعور طبقات نے میاں نواز شریف صاحب کو لگام دے کر درحقیقت امریکی سازش کو ناکام بنانے کی کوشش کی ہے۔ بصورت دیگر میاں صاحب اس خطے میں امریکی مفادات کے محافظ اور آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے بے دام غلام کے طور پر ایک ایسا کردار ادا کرنے کے درپے تھے جو پاک بھارت تعلقات اور مسئلہ کشمیر کے ضمن میں پاکستان کے وقار کو شدید طور پر مجروح کرنے کا باعث بنتا۔ اور طاقت کا ارتکاز چونکہ پورے طور پر ان کی ذات میں ہو چکا تھا لہٰذا انہیں اس رخ پر آگے بڑھنے سے روکنا ایک قومی و ملی ضرورت تھی جس کا بروقت احساس ہمارے باشعور اور مخلص طبقات کو ہوا اور انہوں نے عدلیہ کی مدد سے یہ کار خیر سرانجام دیا ـــــ یہ رائے جن دلائل پر استوار کی گئی ہے انہیں نظرانداز کرنا آسان نہیں ہے ـــــ اس کے بالکل برعکس ایک رائے یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ممکن ہے کہ میاں نواز شریف صاحب نے بعض حساس قومی معاملات میں امریکی ڈکٹیشن لینے سے انکار کیا ہو اور امریکہ نے انہیں ان کی اس "جسارت" کا مزا چکھانے اور ان کے بھاری مینڈیٹ کے زعم کو باطل کرنے کے لئے انہیں ایک جھٹکا دیا ہو تاکہ آئندہ وہ آسمان امریکہ سے اترنے والی وحی سے سرتابی کا خیال بھی اپنے ذہن میں نہ لائیں۔ واللہ اعلم۔

ایک تیسرا امکان جو ہمارے نزدیک سب سے زیادہ خطرناک ہے' یہ ہے کہ عدلیہ کے ساتھ جنگ چھیڑ کر دستور پاکستان کی دھجیاں بکھیرنے اور اسے متنازعہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ اندیشہ بے بنیاد نہیں کہ ہمارے دستور میں شامل "قرارداد مقاصد" اسلام دشمن عالمی طاقتوں کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتی ہے۔ دستوری سطح پر اللہ کی حاکمیت کا اقرار موجودہ عالمی ابلیسی نظام کے نزدیک ناقابل معافی جرم ہے۔ گو سردست دستور میں شامل اسلامی دفعات' بعض متصادم دفعات کی موجودگی کے باعث غیر موثر ہیں لیکن ابلیسی طاقتوں کو ع "ہے اگر کوئی خطر مجھ کو تو اس امت سے ہے" کے مصداق خطرہ اس بات سے ہے کہ کہیں کوئی سرپھرا مقتدر کسی "فغان درویش" سے متاثر ہو کر دستور پاکستان کی تطہیر کر کے دستور خلافت کی تکمیل کا مرتکب نہ ہو جائے۔ گویا یہ سازش پاکستان کے موجودہ دستور کو متنازعہ بنانے اور اس کی از سرنو تشکیل کی ضرورت کو اجاگر کرنے کی خاطر کی گئی تاکہ آئندہ تمام اسلامی دفعات کو دستور پاکستان سے حرف غلط کی طرح مٹا کر ترکی کی طرز پر خالص سیکولر دستور کی تشکیل کی راہ ہموار کی جا سکے! نہ رہے بانس نہ بجے بانسری! ـــــ اللہ نہ کرے کہ یہ بات درست ہو' لیکن اگر خاکم بدہن' موجودہ بحران کے پس پردہ یہی عامل فی الواقع کارفرما تھا تو یہ اہل پاکستان کی بہت بڑی بدقسمتی کا مظہر ہے۔ ہم نے بحیثیت قوم گزشتہ پچاس سال کے دوران پاکستان کو اسلام کا گہوارہ بنانے کا ہر موقع ضائع کیا اور میاں نواز شریف صاحب نے پارلیمنٹ میں دو تہائی اکثریت رکھنے کے باوجود اور دوبار اقتدار میں آنے کے باوجود قرآن و سنت کی بالادستی کے لئے ترامیم منظور کرانے سے مسلسل گریز کی روش اپنائے رکھی' اس جرم کی پاداش میں اگر عذاب الٰہی کا کوئی شدید کوڑا ہم پر برسا تو اس کا الزام کسی اور پر نہیں' ہم پر ہی آئے گا۔ اعاذنا اللہ من ذلک!

صدر اور وزیراعظم کے اختیارات کی موجودہ تقسیم اسلامی روح کے منافی ہے

اللہ اور رسولؐ کے احکامات کے دائرے کے اندر باہمی مشورے سے نظام مملکت چلانا اسلام کے سیاسی نظام کی اصل روح ہے

قانون ضابطے‘ اخلاقیات‘ روایات‘ اقدار اور نظم نام کی کوئی شے یہاں نظر نہیں آتی

ہوں گے بساط دہر پہ کم ہم سے بدقمار
جو چال بھی چلے سو نہایت بری چلے

پاکستان کی حالیہ بحرانی صورتحال پر مرزا ایوب بیگ کا تجزیہ

ہوں گے بساط دہر پہ کم ہم سے بدقمار
جو چال بھی چلے سو نہایت بری چلے

یہ شعر استاد ذوق نے مغلیہ سرکار کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کی حکومت کی بے بسی اور اعیان حکومت کے بے تدبیر وزراء کی کارکردگی پر چسپاں کیا تھا۔ آج پاکستان کی عدلیہ اور انتظامیہ کی حالت دیکھ کر استاد ذوق کے اس شعر کے پہلے مصرعہ میں ترمیم کی جرات کر رہا ہوں۔ ”ہو گا بساط دہر پہ نہ کوئی ہم سا بدقمار“ یعنی استاد ذوق نے اس وقت کے حالات کو دیکھ کر جس چیز کی نفی امکان کے درجے میں کی تھی آج پاکستان کے حالات دیکھ کر راقم اس چیز کی نفی قطعی کر رہا ہے۔ کل اگر ہم کرپشن میں دنیا میں نمبر۲ تھے تو آج بدقماری اور بے ڈھنگی چال میں دنیا بھر میں ہم یقیناً اور بلاشبہ سرفہرست ہیں۔ تین ماہ سے حکومت اور عدلیہ کی جنگ عظیم سات روزہ سیز فائر کے بعد زور و شور سے شروع ہو چکی ہے۔ تازہ دم حکومتی دستے عدلیہ کے قلعے میں دراڑیں ڈالنے میں کامیاب ہو چکے ہیں البتہ حکومت پر یہ الزام عائد ہو رہا ہے کہ اس نے بدعہدی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سیز فائر کا مقررہ وقت ختم ہونے سے ایک دن پہلے حملہ کیا ہے جو کہ جنگ کے مروجہ ضابطوں کے صریحاً خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان اس وقت صرف جغرافیائی طور پر قائم ہے‘ زمین کا ایک ٹکڑا ہے جس پر چودہ کروڑ انسان زندگی کو گزارنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس زمین کے ٹکڑے پر آئین‘ قانون‘ ضابطے‘ اخلاقیات‘ روایات‘ اقدار اور نظم نام کی کوئی شے موجود نہیں۔ زمین کے اس ٹکڑے پر کوئی محکوم نہیں سب حاکم ہیں‘ کوئی مامور نہیں سب امیر ہیں اور کوئی چھوٹا نہیں سب بڑے ہیں۔ جنگل کا قانون شاید کوئی قانون ہو لیکن چودہ کروڑ انسانوں کے اس انبوہ کثیر کے درمیان ایسی کوئی شے اس وقت موجود نہیں۔

گزشتہ ہفتہ حالات سے مایوس ہو کر وزیراعظم میاں محمد نواز شریف نے ایک طرف آرمی چیف جو غیر ملکی دورہ پر تھے‘ انہیں دورہ مختصر کر کے وطن واپس پہنچنے کو کہا اور دوسری طرف عوامی رابطے کے لئے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر قوم سے خطاب کرنے کا اعلان کر دیا۔ نواز شریف کا آرمی چیف سے تعاون طلب کرنا جمہوریت پر یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے خاصا حیران کن تھا کیونکہ بقول ان کے یہ سیاست دانوں کی طرف سے ناکامی کے اعتراف کے مترادف تھا۔ بہرحال آرمی چیف کی میجک سٹک نے کام دکھایا اور فریقین نے عارضی سیز فائر قبول کر لیا۔ لہٰذا ایک طرف صدر کا مواخذہ رک گیا اور دوسری طرف چیف جسٹس جو ایک دن کی مہلت دینے کو تیار نہ تھے‘ انہوں نے نواز شریف کے خلاف تمام مقدمات کی سات روز بعد کی تاریخیں دے دیں‘ لیکن ۲۷ نومبر کو اچانک سپریم کورٹ کے کوئٹہ بینچ نے چیف جسٹس کی حیثیت سے سجاد علی شاہ کی تقرری کے خلاف ایک رٹ سماعت کے لئے منظور کی اور اسی روز یہ فیصلہ سنا دیا کہ چیف جسٹس کو معطل کیا جاتا ہے اور وہ چیف جسٹس کی حیثیت سے کوئی انتظامی یا عدالتی کارروائی نہیں کر سکتے۔ سجاد علی شاہ نے اسی رات جواب آں غزل کے طور پر یہ فیصلہ سنا دیا کہ کوئٹہ بینچ نہ صرف یہ کہ ایسا فیصلہ سنانے کا مجاز نہیں تھا بلکہ دفعہ ۱۸۴/۳ کے تحت ایسی رٹ سپریم کورٹ کے پرنسپل سیٹ کے علاوہ کہیں اور دائر نہیں کی جا سکتی۔ کوئٹہ بینچ کے فیصلہ پر حکومت نے بغلیں بجائیں اور سرکاری نشریاتی ذرائع نے سجاد علی شاہ کو چیف جسٹس کی بجائے صرف جسٹس کہنا شروع کر دیا۔ ایسا ہی فیصلہ سپریم کورٹ کے پشاور بینچ نے بھی سنا دیا بلکہ ایک قدم اور اٹھاتے ہوئے چیف جسٹس کو نظرانداز کر کے فل کورٹ اجلاس طلب کر لیا‘ یعنی اب حکومت بمقابلہ عدلیہ کے ساتھ ساتھ عدلیہ میں جج بھی ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہو گئے۔ حکومت نے عدلیہ کی باہمی جنگ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے مورچے مضبوط کر لئے اور صدر پر چیف جسٹس سجاد علی شاہ کو فارغ کرنے کے لئے دباؤ بڑھا دیا۔ صدر کے انکار سے حکومت اور صدر کے درمیان خلیج مزید وسیع ہو گئی۔

اس ساری جنگ میں حکومت بالخصوص میاں نواز شریف کو ایک بہت بڑا کریڈٹ جاتا ہے کہ وہ نہ صرف اپنی پارلیمانی پارٹی کو متحد رکھنے میں کامیاب ہوئے بلکہ ان کے تمام اتحادیوں نے اس نازک وقت پر ان کا بھرپور ساتھ دیا لیکن حکومت سے ایک بہت بڑی حماقت سرزد ہوئی اس نے ملک کے بعض حصوں خصوصاً لاہور سے مسلم لیگ کے کارکنوں کو بلا کر سپریم کورٹ میں زبردست ہنگامہ آرائی کروائی‘ جس کی بی بی سی اور زی ٹی وی نے خوب کوریج دی اور اس ہنگامہ آرائی کی وجہ سے چیف جسٹس نے سماعت ملتوی کر دی۔ اس انتہائی گھٹیا حرکت کی وجہ سے حکومت کی پوزیشن خراب ہوئی اور ایک بار پھر وہ دفاعی پوزیشن میں چلی گئی۔ ادھر سپریم کورٹ میں اس وقت ایک

مضحکہ خیز صورت حال پیدا ہوگئی جب پرنسپل سیٹ کی طرف سے ایک ہی روز میں دو کاز لسٹیں (Cause Lists) آویزاں کر دی گئیں لیکن بعد ازاں بعض جج حضرات کی کوششوں کے نتیجہ میں فل کورٹ اجلاس اور نواز شریف کے خلاف مقدمات کی سماعت دونوں ملتوی کر دیئے گئے اور آخری خبریں آنے تک جج حضرات باہمی مذاکرات میں مصروف تھے تاکہ افہام و تفہیم کے ذریعے کوئی باعزت حل تلاش کر لیا جائے۔

۳۰ نومبر کو میاں نواز شریف نے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر قوم سے خطاب کیا اور چیف جسٹس پر مختلف الزامات لگانے کے ساتھ صدر پر بھی عدم تعاون بلکہ مخالف فریق کی حمایت کا الزام لگایا' البتہ ایک بات ایسی کہی جس میں حقیقتاً وزن ہے یعنی ایسے حالات میں کوئی حکومت عوامی مسائل کیسے حل کرے۔ ہماری رائے میں کسی حکومت یا لیڈر کے بارے میں نو یا دس ماہ میں یہ رائے تو دی جاسکتی ہے کہ اس نے صحیح سمت اختیار کی ہے یا غلط لیکن اتنی قلیل مدت کو بنیاد بنا کر اس کی کارکردگی پر حتمی فیصلہ صادر نہیں کیا جا سکتا کہ آیا وہ کامیاب ہوا ہے یا ناکام۔ جمہوری ملکوں میں تو یہ طرز عمل ہے کہ وہ اسے آئین کی حدود کے اندر اختیارات دے کر پوری ٹرم کام کرنے کا کھلا موقع دیتے ہیں۔ اس دوران تجزیہ نگار اور کالم نویس الیکٹرونک اور پرنٹ میڈیا اپنی تائید یا تنقید سے اس کی کارکردگی' خود اس پر اور عوام پر واضح ضرور کرتا رہتا ہے اور اپنے تئیں اس کے قبلہ کو درست کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن اصلاً اگلے انتخابات کے نتائج ہی اس کی کارکردگی پر عملی اور حقیقی تبصرہ اور رد عمل ہوتا ہے۔ بہر حال پاکستان جیسا ملک جس کی طبعی عمر تو یقیناً پچاس سال ہو چکی ہے لیکن بوجوہ اس کی جمہوری افزائش رکی رہی اور جمہوریت ابھی تک پنے پاؤں مضبوط نہیں کر سکی کہ اس کے انہدام کے امکانات مکمل طور پر ختم ہو چکے ہوں' ایسے ملک میں بھی کسی حکومت کو کم از کم دو سال تو ضرور ملنے چاہئیں اور اس کی کامیابی یا ناکامی پر فیصلہ کن رائے اس سے کم عرصے میں نہیں دی جانی چاہئے۔

سوال یہ ہے کہ پاکستان میں جمہوریت کی گاڑی ہچکولے کیوں کھاتی رہتی ہے اور بحران پر بحران کیوں وارد ہوتے رہتے ہیں۔ درحقیقت ہم نے پارلیمانی جمہوریت اپنے سابق آقاؤں سے غلامی کے آخری تحفہ کے طور پر وصول کی ہے اور آنکھیں بند کر کے اپنے اور ان کے حالات کا موازنہ کئے بغیر روایتی' ذہنی اور فکری اختلاف کو نظر انداز کر کے اسے اپنانے کی کوشش کی ہے' جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم ایک بحران سے نکل کر دوسرے بحران کی طرف بڑھنا شروع ہو جاتے ہیں۔ پارلیمانی نظام میں اقتدار و اختیار کی دوئی ہمارے ہاں فساد کی اصل جڑ ہے۔ وزیر اعظم حکومت کا سربراہ یعنی چیف ایگزیکٹو ہے اور صدر سربراہ مملکت یعنی ہیڈ آف دی سٹیٹ ہے۔ وزیر اعظم عوامی مینڈیٹ کا دعویدار ہوتا ہے اور صدر اپنے چناؤ کے لئے اکثریتی پارٹی اور وزیر اعظم کی حمایت کا مرہون منت ہوتا ہے۔ صدر جب منتخب ہو جاتا ہے تو اگرچہ چیف ایگزیکٹو کی حیثیت سے اصل اقتدار و اختیار وزیر اعظم کے پاس ہی رہتا ہے لیکن آئینی حیثیت سے صدر کی شخصیت کو برتری حاصل ہے۔ وہ افواج پاکستان کا سپریم کمانڈر بھی ہے اور اسے بعض براہ راست اختیارات بھی حاصل ہیں' مثلاً ملک میں مالی ایمرجنسی نافذ کرنا' کسی جج کے خلاف ریفرنس سپریم جوڈیشل کونسل کو بھجوانا یا وزیر اعظم کی خواہش کے باوجود ریفرنس نہ بھجوانا۔ اختیارات کی ایسی تقسیم اسلامی نظام کی روح کے خلاف ہے لہٰذا وہ مسلمانوں کے نفوس میں خواہی نخواہی کسی قدر سرایت کر چکی ہے۔ مسلمان تو روزانہ پانچ وقت یہ دیکھتا اور سیکھتا ہے کہ ایک امام اور لاکھوں مقتدی' پھر یہ کہ امام اگر دوران نماز کوئی غلطی کرے تو اسے لقمہ دیا جا سکتا ہے اور با آواز بلند دیا جا سکتا ہے لیکن مقتدی دوران نماز اپنی رائے پر اصرار نہیں کر سکتے اور امام کو رجوع کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے ہاں البتہ جب امام سلام پھیر کر نماز کے تمام ہونے کا اعلان کر دے تو امام سے تکرار کی جا سکتی ہے 'نماز دہرائی جا سکتی ہے' حتیٰ کہ امام کو تبدیل بھی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن دوبارہ بھی نماز ایک ہی امام پڑھائے گا اور ہر مقتدی کو اب اس کی آواز اور حرکات پر لبیک کہنا ہو گا۔ ایسی تربیت کے حامل لوگ صدر اور وزیر اعظم کی اقتدار و اختیار کی کشاکش کے کیسے متحمل ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ اسلام نے نہ صدارتی نظام اپنانے کا حکم دیا ہے اور نہ ہی پارلیمانی جمہوریت شریعت کا حصہ ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ صدارتی نظام اسلامی مزاج کے قریب تر ہے۔ اسلام کا سیاسی نظام مختصر ترین الفاظ میں یہ ہے کہ اللہ اور رسولؐ کے احکامات کے دائرے کے اندر مشورے سے کام چلاؤ۔

امریکہ بھی جمہوریت کے علمبرداروں میں سے ہے بلکہ جمہوری ملکوں کے قافلے کا سربراہ ہے اور بقول امریکیوں کے جمہوریت اب ان کے ایمان کا حصہ ہے۔ صدارتی نظام وہاں نہایت کامیابی سے چل رہا ہے۔ البتہ وہاں ٹرم ۵ سال کی بجائے ۴ سال ہے اور انہوں نے یہ پابندی لگا کر کہ کوئی صدر دو مرتبہ سے زائد صدر نہیں رہ سکتا ایک خوبصورت توازن پیدا کر دیا ہے۔ پاکستان میں اس مدت کو مزید کم کر کے تین سال کیا جا سکتا ہے تاکہ بے صبر سیاست دانوں کو زیادہ انتظار نہ کرنا پڑے۔ آخر میں راقم یہ جانتے ہوئے بھی کہ نقار خانے میں طوطی کی کیا شنوائی ہو گی وطن عزیز کے اس گھمبیر ترین بحران کا حل پیش کر رہا ہے جس سے عدالت کی عزت اور نواز شریف کی حکومت دونوں بچ سکتے ہیں۔

اس بحث سے قطع نظر کہ اسلام میں توہین عدالت کا تصور ہے یا نہیں۔ خلفائے راشدین اور عظیم اسلامی شخصیتوں کا عدالتوں میں مدعی اور مدعا علیہ کی حیثیت سے پیش ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ اسلام کے نزدیک کوئی شخص قانون سے بالاتر نہیں اور عدالت جو فیصلہ کرے اس کی تنفیذ اور اس پر عمل درآمد کرنا یا کرانا حاکم وقت کا فرض منصبی ہے' لہٰذا عدالت کا احترام ایک منطقی بات ہے۔ یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ ۲۹/اکتوبر کو سپریم کورٹ اور چیف جسٹس کو قومی اسمبلی میں بے نقط سنائی گئیں اور جس آئین کی ہم بات بات پر دہائی دیتے ہیں اس میں صاف صاف لکھا ہے کہ جج کی ذات کو اسمبلی میں زیر بحث نہیں لایا جا سکتا۔ لہٰذا توہین عدالت کیس میں تو وزیر اعظم آئیں بائیں شائیں کرنے کی بجائے صاف صاف اور غیر مشروط معافی مانگیں البتہ اس کے علاوہ وزیر اعظم پر سپریم کورٹ میں جتنے مقدمات ہیں یا تو انہیں ۱۵ فروری ۱۹۹۸ء تک یعنی جب موجودہ چیف جسٹس ریٹائر ہو چکے ہوں گے اس کے بعد تک ملتوی کر دیئے جائیں یا فوری طور پر سپریم کورٹ کے ایسے بینچ کو منتقل کر دیئے جائیں جس میں چیف جسٹس اور ان کے حامی جج حضرات شامل نہ ہوں اور وہ تعصب سے بالاتر ہو کر ان مقدمات کا فیصلہ کریں۔ ہماری رائے میں توہین عدالت میں وزیر اعظم کی معافی سے عدالت کو عزت ملے گی اور مقدمات کی منتقلی سے وزیر اعظم کی حکومت بچ سکے گی!

ہم بحران کا حل تجویز کر رہے تھے لیکن اخبارات نے یہ اطلاع فراہم کی ہے کہ ججوں کے مذاکرات بری طرح ناکام ہوئے اور وہ پھر جوڈیشل اسلحہ سے لیس ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہو گئے ہیں اور آرمی چیف نے پھر شٹل ڈپلومیسی کا آغاز کر دیا ہے۔ ہماری عقلوں پر شاید پتھر پڑ چکے ہیں اور ہمارے دل غلافوں میں ملفوف ہیں' انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آئندہ مبتدی / ملتزم تربیت گاہ

۲۱ تا ۲۷ دسمبر ۹۷ء کو قرآن اکیڈمی کراچی میں مبتدی و ملتزم رفقاء کے لئے الگ الگ تربیت گاہیں منعقد ہوں گی۔ مزید تفصیلات کے لئے ناظم حلقہ سندھ و بلوچستان سے رابطہ کریں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ

تحریر و تحقیق : فرقان دانش خان

خلافت کے لغوی معنی نیابت اور جانشینی کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں خلافت اس اسلامی حکومت اور ریاست کو کہتے ہیں جس میں حاکیت الٰہی کے اصول کو تسلیم کیا گیا ہو اور جس کا تمام ملکی اور ملی نظام منہاج نبوتؐ پر استوار ہو۔ جب یہ نظام موجود ہو تو اسے مضبوط و قائم رکھنا اور اس کی برکات کو دوسروں تک پہنچانا' ادارۂ خلافت کی ذمہ داری ہے۔ اگر موجود نہ ہو تو اس کو قائم کرنے کی ذمہ داری اس وقت کے تمام مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے۔

الحمدللہ تنظیم اسلامی وہ جماعت ہے جو نظام خلافت کے احیاء کے لئے سیرت طیبہ سے ماخوذ انقلابی طریق کار پر سرگرم عمل ہے اور اولاً پاکستان میں اور ثانیاً پوری دنیا میں نظام خلافت کو قائم کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہے۔ خلافت قائم ہونے کے بعد اس کا نمونہ کیا ہوگا' اس کی خصوصیات اور خدوخال کیسے ہوں گے۔ ان موضوعات پر امیر تنظیم اور داعی تحریک خلافت ڈاکٹر اسرار احمد صاحب تفصیل سے اپنی کتاب "خطبات خلافت" میں روشنی ڈال چکے ہیں تاہم چونکہ ہمارے نزدیک اس نظام عدل اجتماعی کا مکمل ماڈل تو خود حضور ﷺ کا دور اور پھر اسی سے متصل دور خلافت راشدہ ہے' لہٰذا ہم یہاں ایک سلسلہ مضمون شروع کر رہے ہیں جس میں تاریخ خلافت راشدہ کے اہم واقعات سامنے لائے جائیں گے تاکہ خلافت کے قیام کی جدوجہد میں شریک کارکنان کی نظروں میں اپنی منزل کا خاکہ مستحضر رہے اور عام قارئین بھی تاریخ اسلامی کے ان اہم اوراق سے رہنمائی حاصل کر سکیں۔ (ادارہ)

حضرت ابوبکر صدیقؓ تعلیمات اسلامی کے جیتے جاگتے پیکر اور اخلاق نبوی ﷺ کی مجسم تصویر تھے۔ ذاتی حیثیت میں بڑے رقیق القلب' متواضع اور نرم خو واقع ہوئے تھے۔ آنحضورؐ کے وصال کے بعد ربیع الاول ۱۱ھ میں آپؓ مسلمانوں کے خلیفہ منتخب ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ کی شخصیت ہر طبقہ میں ایسی محترم تھی کہ اس انتخاب پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ تمام مسلمانوں نے مسجد نبوی میں آپؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس موقع پر آپ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ آج بھی حکمرانوں اور دینی جماعتوں کے امراء کے لئے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

"اے لوگو! میں تم پر حاکم بنا دیا گیا ہوں۔ حالانکہ میں تم میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں ٹھیک کام کروں تو میری اطاعت کرنا اور اگر غلط روی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر دینا۔ سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے۔ تم میں جو ضعیف ہے' وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں اسے اس کا حق نہ دلا دوں۔ تم میں سے قوی ترین شخص اس وقت تک میرے نزدیک کمزور و ضعیف ہے جب تک میں اس سے دوسرے کا حق نہ لے لوں۔ یاد رکھو! جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے' خدا اس کو ذلیل و رسوا کر دیتا ہے اور جس قوم میں بدکاری عام ہو جاتی ہے' خدا اس کو عام مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اگر میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کروں تو تم میری اطاعت کرنا اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو تم پر میری اطاعت لازم نہیں۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ منصب خلافت سے پہلے تجارت کیا کرتے تھے۔ بعد میں خلافت کے کاموں میں مشغولی اور مسلمانوں کی صلاح و فلاح کی ذمہ داری کے باعث بیت المال سے بقدر کفایت وظیفہ مقرر کرا کے تجارت چھوڑ دی تھی۔ وظیفہ کی مقدار میں بھی اتنی احتیاط ملحوظ رکھی کہ ایک بار اہلیہ نے روزانہ تھوڑا تھوڑا کچھ بچا کر کھانے میں میٹھا بنانے کی اجازت طلب کی تو آپؓ نے فرمایا "تجربے سے معلوم ہوا کہ وظیفہ میں اتنی رقم ہماری ضرورت سے زیادہ ہے"۔ چنانچہ وہ بچت بیت المال میں جمع کرا کے آئندہ کے لئے اپنے وظیفہ سے اتنی رقم کم کرا دی۔ تواضع کا یہ عالم تھا کہ محلّہ والوں کے گھریلو کام کاج اپنے ہاتھوں سے انجام دیا کرتے تھے۔ خلافت ملنے کے بعد ایک لڑکی کو جس کی بکری کا دودھ دوہ دیا کرتے تھے' بڑی فکر ہوئی۔ آپؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ خلافت مجھ کو خلق خدا کی خدمت سے باز نہیں رکھ سکتی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ عہد نبویؐ سے سر مو تجاوز کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ آپؓ کو آغاز خلافت سے ہی بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن ہر موقع پر آپ کی خداداد فراست اور بصیرت نے ایک ایک کر کے تمام مسائل کا حل تلاش کر لیا۔ ان میں سب سے زیادہ اہم اور نازک معاملہ منکرین زکوٰۃ کا تھا' جو اسلام پر قائم رہتے ہوئے صرف زکوٰۃ کے منکر ہو گئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ خلافت کے تمام امور اکابر صحابہؓ کے مشورے سے انجام دیتے تھے۔ اس موقع پر کبار صحابہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی منکرین زکوٰۃ پر تلوار اٹھانے کی رائے سے اختلاف کیا۔ حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے بھی جو فہم و تدبر میں تمام صحابہؓ میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ فرمایا کہ "جو لوگ توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہیں اور صرف زکوٰۃ کے منکر ہیں ان پر کس طرح تلوار اٹھائی جا سکتی ہے۔" حضرت ابوبکرؓ نے ایسا رسا ذہن اور دقیق نظر پائی تھی اور ان کی نگاہ وہاں تک پہنچی تھی جہاں تک کسی اور کا ذہن منتقل نہ ہوا تھا۔ چنانچہ آپؓ نے اس موقع پر جو الفاظ ارشاد فرمائے وہ تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔ آپؓ نے فرمایا "خدا کی قسم جو شخص رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بکری کا ایک بچہ زکوٰۃ میں دیتا تھا' اور وہ اس کے دینے سے انکار کرے گا تو میں اس کے مقابلہ میں اکیلا جہاد کروں گا۔" بعد میں حضرت عمرؓ کو اس معاملے میں آپؓ کی اصابت رائے کا اعتراف کرنا پڑا۔ دراصل یہ وہ مقام ہے جو حضرت ابوبکرؓ کے دور خلافت کو ایک ممتاز حیثیت عطا کرتا ہے۔ اگرچہ جہاں تک فتوحات اور نظام خلافت میں وسعت کا تعلق ہے۔ بعد کا زمانہ آپؓ کے زمانے سے زیادہ مہتمم بالشان تھا لیکن یہ اسی بنیاد کا نتیجہ تھا جو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قائم کی تھی یعنی یہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ اگر دین میں کمی کا کہیں شائبہ بھی نظر آئے تو اسے کسی طور گوارا نہ کیا جائے اور سختی کے ساتھ اس کا تدارک کیا جائے۔

اہل پاکستان کو درپیش تین قسم کی قربانیاں

(اقتباس از کتاب "حدیث پاکستان" مصنف : مولانا سید ابوالحسن ندوی)

آپ کو تین طرح کی قربانیاں دینی ہیں۔ ہماری ہر قربانی کیلئے ہماری تاریخ میں ایک امام موجود ہے۔ ایک قربانی وہ ہے جو سیدنا خالد بن ولیدؓ نے یرموک میں دی تھی' ان کی قربانی یہ پیغام دیتی ہے کہ عین میدان جنگ میں اگر معزول کر دیا جائے تو پیشانی پہ شکن نہ آئے۔ دوسری قربانی وہ ہے جو حضرت حسن بن علیؓ نے حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں امت کے انتشار کو ختم کرنے کیلئے دی تھی۔ تیسری قربانی وہ ہے جو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے (اسلامی مملکت اور معاشرہ کو اسلامی زندگی اور اسلامی سیرت کی راہ پر لگانے کیلئے) اپنی زندگی کو بدل کر اور اپنے خاندان کے مفاد سے آنکھیں بند کر کے دی تھی۔ اب یہ تینوں قربانیاں پاکستان کی اس ملت اسلامیہ کو درپیش ہیں۔

(انتخاب : فرقان دانش خان)

اسیری کے ۹۷ دن

سعودی عرب کی جیل میں محبوس رہنے والے رفیق تنظیم اسلامی عبدالرزاق نیازی کی آپ بیتی

مارچ ۹۷ء میں سعودی عرب میں مقیم تنظیم اسلامی کے جن تین رفقاء کو سعودی حکومت نے گرفتار کر کے جیل بھجوایا تھا ان میں عبدالرزاق نیازی صاحب کا نام سب سے پہلے آتا ہے۔ ان حضرات کا "جرم" اس کے علاوہ اور کچھ نہ تھا کہ وہ ایک ایسی تنظیم سے وابستہ تھے جو انقلابی نظریات کی حامل شمار ہوتی ہے اور پاکستان میں غلبہ و اقامت دین کے لئے سرگرم عمل ہے' تاہم وہ فوری اسباب کوشش کے باوجود بہت دیر تک ہمارے علم میں نہ آسکے کہ جن کے پیش نظر یہ گرفتاری عمل میں آئی۔ پاکستان میں تنظیم اسلامی کی مرکزی قیادت نے اپنے طور پر ان رفقاء کی رہائی کے لئے بھرپور کوشش کی اور سعودی عرب میں پاکستانی سفارت کار سے رابطہ کے علاوہ پاکستان میں سعودی سفیر سے بھی رابطہ قائم کر کے سعودی حکومت کی غلط فہمی دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی' تاہم ان حضرات کی رہائی ماہ جون میں جا کر ممکن ہو سکی —— ہمارا ایمان ہے کہ اس عالم اسباب کے تمام معاملات اللہ کے اذن اور مشیت کے تابع ہیں' اہل ایمان پر اگر کوئی سختی یا آزمائش آتی ہے تو وہ بھی اذن رب کے بغیر نہیں آتی اور بظاہر برائی کے پردے میں بھی درحقیقت بھلائی کارفرما ہوتی ہے۔ سعودی عرب میں مقیم رفقاء پر حکومت کی جانب سے سختی کا آغاز اس واقعے سے ہوا جو عبدالرزاق نیازی صاحب کے ساتھ دمام ایئرپورٹ پر پیش آیا۔ جس کے بعد بعض دیگر رفقاء جن میں تنظیم ریاض کے امیر جناب انور مسعود صاحب بھی شامل تھے' زیر عتاب آئے۔ نیازی صاحب کی زیر نظر تحریر سے چونکہ نہ صرف یہ کہ اس ناخوشگوار واقعے کے پس منظر کی مکمل وضاحت ہوتی ہے بلکہ سعودی عرب میں پس دیوار زنداں ان رفقاء پر جو کچھ بیتی اس کی تفاصیل بھی سامنے آتی ہیں' لہٰذا عام افادے کی خاطر اسے ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

راقم ۱۵ مارچ ۱۹۹۷ء کو بذریعہ Syrian Air line صبح ۸ بجے دھران ایئرپورٹ پہنچا۔ حسب معمول کسٹم چیکنگ کے لئے سامان دکھایا۔ میرے پاس ۹۵ چھوٹے کتابچے' ۴ عدد آڈیو کیسٹ اور ۳ عدد وڈیو کیسٹ تھے (جو بلکہ تنظیم کے تعارف کے بارے میں تھیں) یہ سب کچھ میں نے کسٹم والے کو چیکنگ کے لئے دے دیئے' پھر اس نے میرا سامان چیک کیا۔ میرے پاس ایک پرسنل ڈائری تھی جس میں ایڈریس' فون نمبر اور کچھ میری ذاتی باتیں لکھی تھیں۔ یہ ڈائری میں ہر وقت جب بھی چھٹی آتا تھا ساتھ لاتا تھا۔ کسٹم والے نے میری ڈائری کی پوری ورق گردانی کی اور جو پلاسٹک کور تھا وہ بھی اس نے کھول دیا تو اچانک ایک لسٹ نیچے آن گری جس پر لکھا تھا "رفقاء تنظیم اسلامی الریاض"۔ لسٹ کے ظاہر ہوتے ہی میں چونک گیا اور کسٹم والے نے میرا پاسپورٹ اپنے پاس رکھ لیا اور اپنے افسر کو وہ لسٹ دکھائی کہ یہ لوگ تنظیم بنا رہے ہیں۔ پھر انہوں نے میری کتب / کیسٹ اپنے پاس رکھ لیں اور مجھے کہنے لگے کہ "آپ لوگ یہاں تنظیم بناتے ہیں ہم آپ کا پاسپورٹ اپنے پاس رکھتے ہیں' کل آ کر پاسپورٹ اور کتب لے جانا"۔ پھر میں وہاں سے سیدھا اپنے کیمپ الجبیل آ گیا۔

دوسرے دن ۱۶ مارچ کو صبح ۸ بجے دھران ایئرپورٹ پہنچ گیا جو کہ الجبیل سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کی گاڑی کی مسافت پر ہے۔ میں جب وہاں پہنچا تو مجھے دو تین گھنٹے بٹھائے رکھا اور پھر کہا کہ آپ پر جرمانہ بھی لگے گا اس لئے آپ تقریباً -/۵۰۰۰ ہزار ریال لے کر شام کو آ جائیں کیونکہ جس آدمی نے مجھے پکڑا تھا وہ شام کو آئے گا۔ خیر میں وہاں سے واپس آ گیا اور ساتھیوں سے پانچ ہزار ریال قرض لے کر شام کو پھر ایئرپورٹ پہنچ گیا۔ پھر جواب دیا کہ کل آنا کیونکہ افسر ڈیوٹی پر نہیں ہے۔

تیسرے دن ۱۷/ مارچ کو صبح ۸ بجے ایئرپورٹ پہنچا۔ تقریباً دو تین گھنٹے بٹھایا گیا اور اس دوران مختلف لوگ مجھے دیکھنے آئے۔ فون پر میرے بارے میں گفتگو ہوئی اور وہاں پر شعیب نامی ایک شخص (جو کہ غالباً سعودی شہریت رکھتا ہے اور ویسے انڈین ہے) نے میرے سامنے کتاب "بیعت کی اہمیت" کے صفحے کھول کر اس میں بیعت فارم اور تنظیم کے تعارف کے بارے میں سعودی آفیسر کو پڑھ پڑھ کر بتایا اور پھر مجھے شعیب صاحب نے کہا کہ آپ کی مت ماری گئی ہے کہ ڈاکٹر اسرار کے ساتھ چل پڑے ہو' پاکستان میں صرف دو شیطان ہیں ایک بدعتیوں کا سردار پروفیسر طاہر القادری اور دوسرا ڈاکٹر اسرار احمد۔ تم تو ڈاکٹر اسرار کی چلتی پھرتی تصویر بنے پھرتے ہو۔ ڈاکٹر اسرار پاکستان میں لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے' وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کچھ میں نجانے کیسے سنتا رہا اور صبر سے کام لیا۔ پھر مجھے افسر نے بلوایا کہ ابھی تک تمہاری کتب / کیسٹ چیک نہیں ہوئے ہیں اس لئے کل آنا اور پیسے بھی ساتھ لانا۔

میں پھر ۱۸ مارچ کو ایئرپورٹ پہنچ گیا۔ میں بتا نہیں سکتا کہ اتنی دور سے آنا میرے لئے کتنا مشکل ہوتا تھا۔ ایئرپورٹ پر سارا دن بٹھائے رکھا' مجھ سے -/۴۵۰۰ ریال جرمانہ کے لے لئے گئے اور کوئی رسید وغیرہ نہیں دی۔ تقریباً شام ۷ بجے مجھے پاسپورٹ دیا گیا لیکن جونہی میں پاسپورٹ لے کر باہر نکلا تو Intelligents کے ایک افسر نے مجھے روکا اور کہا کہ تمہارا سامان کہاں ہے۔ میں نے کہا کہ میں تو ہفتہ والے دن آیا تھا اور سامان میرے کمرے میں پڑا ہے تو اس نے میرا پاسپورٹ لے لیا اور کہا کہ اچھا تم لوگ یہاں تنظیمیں بناتے ہو' آؤ میرے ساتھ۔ وہ مجھے اوپر آفس میں لے گیا اور باہر گارڈ کے پاس مجھے بٹھا دیا ہر وہ لوگ اپنی کاغذی کارروائی کرتے رہے اور عشاء کی نماز کے بعد میرے سامنے ہتھکڑی لائی گئی اور کہا کہ ہاتھ آگے بڑھاؤ۔ میں نے ہاتھ آگے کر دیئے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے کہ آج ایک ایسے جرم میں قید کیا جا رہا ہے جو کہ فرض ہے۔ مسلمانوں کے ملک میں مسلمانوں کے ساتھ یہ سلوک آج اللہ تعالیٰ کی کتاب کو عام کرنے کے جرم میں ہتھکڑی لگ گئی۔ دو سپاہیوں کے درمیان مجھے گاڑی میں بٹھایا دیا' دونوں سپاہی مجھے قوت کے ساتھ دبوچے ہوئے تھے اور گاڑی تیز رفتاری کے ساتھ دوڑ رہی تھی۔ میرے حواس گم تھے' سکتے کا عالم تھا پھر اچانک ایک بڑی دیوار کے سامنے گاڑی رک گئی۔ ساتھ ہی ایک بڑا گیٹ تھا' وہاں کھڑکی سے پوچھا گیا کہ کہاں سے آئے ہو جواب دیا گیا کہ ایئرپورٹ سے۔ پھر طلسماتی انداز میں گیٹ کھل گیا۔ ہماری گاڑی اندر چلی گئی اور وہ پولیس والے مجھے ایک کمرے میں دو افسروں کے پاس چھوڑ کر چلے گئے۔ ان افسروں نے میری اچھی طرح جامہ تلاشی لی۔ میرے پرس (Wallet) سے تمام کاغذ اور پیسے نکال لئے۔ ان میں ایک رسید بھی نکلی جو رفقاء الجبیل کی طرف سے دین حق ٹرسٹ میں چندہ جمع کرانی کی تھی۔ پھر سوال شروع کر دیئے کہ تمہاری تنظیم کہاں کہاں ہے؟' کتنے سعودی تمہاری تنظیم میں ہیں؟' آپ کی تنظیم کا مرکز کہاں ہے؟' مرکز اور پوری تنظیم کا خرچ کہاں سے آتا ہے' وغیرہ وغیرہ۔ اگر تم

نے ٹھیک ٹھیک شرافت سے جواب نہیں دیئے تو پھر ہم دوسرے طریقہ سے پوچھ لیں گے۔ میرے مسلسل انکار کے بعد وہ مجھے ایک کمرے میں لے گئے جہاں میرے کپڑے اتروائے گئے اور مجھے سعودی "ثوب" پہننے کے لئے دی گئی۔ پھر ایک دوسرے کمرے میں لے جایا گیا جہاں مختلف پہلوؤں سے میری تقریباً ۱۲ تصویریں لی گئیں اور تقریباً چھ بڑے کارڈوں پر میرے دونوں ہاتھوں کی تمام انگلیوں کے نشانات لگوائے گئے۔ ایک کمرے سے مجھے ایک گدا اور دو کمبل (ایک اوڑھنے کے لئے اور دوسرا تکیہ بنانے کے لئے) دیئے گئے اور ایک ۱۵x۱۲ کے کمرے میں ڈال دیا' جس میں چار عدد ٹیوب لائٹ ۲۴ گھنٹے چلتی رہتی تھیں۔ کمرے میں قالین اور ایئر کنڈیشن موجود تھا لیکن کمرہ بالکل بند تھا۔ لوہے کے بالکل بند دروازے میں ایک چھوٹی سے کھڑکی تھی جو کہ ہروقت بند رکھنی پڑتی تھی سوائے ضرورت کے وقت یعنی باتھ روم جانے یا پانی پینے کے لئے۔

اب کمرہ تھا اور میں' گھر کی پریشانی تھی کہ میرے بعد ان کا کیا ہوگا۔ والدہ غم سے مرجائیں گی۔ والدہ صاحبہ' بیوی' تین معصوم بچوں' ایک محتاج بہن اور ایک محتاج بھائی کا میں اکیلا سرپرست اور کفیل ہوں۔ میری خبر کے بعد ان سب پر کیا بیتے گی۔ پھر دو تین دن بعد بلایا گیا اور پہلے والے سوال ہی دوہرائے گئے۔ میرے نہ بتانے پر وہ تشدد پر آگئے اور تقریباً چار پانچ گھنٹے گزر گئے (اس تشدد کا اثر یہ ہوا کہ اب بھی میں زیادہ دیر بیٹھ جاؤں یا لیٹ جاؤں تو پیٹ کے پٹھوں میں درد شروع ہو جاتا ہے اور تھوڑا تھوڑا درد ہمیشہ رہتا ہے) یہ تشدد مجھ سے برداشت نہ ہوا تو میں نے الریاض اور الخبر کے امراء کے نام اور فون نمبر بتا دیئے۔ الجبیل والے رفقاء کا نام نہ بتایا تو انہوں نے کہا کہ تمہاری رسید پر رفقاء الجبیل لکھا ہوا ہے' شرافت سے نام بتا دو ورنہ ہم مزید تشدد کریں گے۔ پھر میں نے نام بتا دیئے کیونکہ ثبوت کے طور پر رسید ان کے پاس موجود تھی۔ اس کے بعد وہ مجھے واپس کمرے میں چھوڑ گئے' قبر نما خوشنما کشادہ کمرے میں تلاوت قرآن مجید اور دوستوں اور گھر والوں کی فکر میں گزرنے لگے۔ یہاں کھانا اچھا ملتا تھا اور روزانہ ۱۰ ریال خرچہ کے لئے دیئے جاتے تھے۔ اچانک تقریباً ۱۵ دن بعد رات کو بارہ بجے مجھے بلوایا گیا۔ اب میرے سامنے ایک افسر تھا جو کہ غالباً کیپٹن تھا (سول یونیفارم میں تھا) اور یہی میرا محقق تھا' اس نے سوالات شروع کر دیئے۔ اس مرتبہ سوالات "تنظیم الاخوان" (مولانا محمد اکرم اعوان) کے بارے میں تھے کہ آپ کا تعلق الاخوان سے ہے؟ آپ لوگ بھی نقشبندی ہیں؟ آپ کے کیمپ میں کتنے لوگ الاخوان کے ہیں' کچھ کتب میرے سامنے رکھیں کہ یہ تمہاری کتابیں ہیں۔ میں نے کہا کہ ہماری کتاب پر تنظیم اسلامی' انجمن خدام القرآن یا ڈاکٹر اسرار احمد لکھا ہوا ہوگا۔ تقریباً دو تین گھنٹے بعد مجھے' واپس کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ ہفتہ میں دو ایک بار دس پندرہ منٹ کے لئے کمرے سے باہر دھوپ اور تازہ ہوا کھانے کے لئے نکالا جاتا۔ اس دوران دو پولیس والے نگرانی کے لئے موجود رہتے تھے۔ وضو اور باتھ روم میں جانے کے لئے اجازت ملنا سپاہی کے موڈ پر موقوف ہوتا تھا۔ اس طرح کئی نمازیں قضاء ہوئیں اور پھر یہی کیا جاتا کہ ایک وضو سے زیادہ سے زیادہ نمازیں پڑھی جائیں۔ پھر ایک ہفتہ بعد بلوایا گیا اور میرے محقق نے سوالات شروع کر دیئے۔ اس مرتبہ سوالات "جماعت حزب التحریر" کے بارے میں تھے کہ آپ تنظیم سے پہلے حزب التحریر میں تھے؟ آپ لندن کب گئے تھے؟ حزب التحریر کے کتنے آدمیوں کو تم جانتے ہو؟ تمہارے امیر نے لندن میں حزب التحریر کے پروگرام میں شرکت کی ہے؟ آپ یہاں ایک اجتماع میں گئے تھے جہاں حزب التحریر کے لوگ موجود تھے؟ وغیرہ وغیرہ اور یہ کہ ہمارے پاس لندن ایمبیسی سے رپورٹ آئی ہے کہ ۱۹۹۵ء میں حزب التحریر کے پروگرام میں کون کون شامل ہوا تھا اور کس نے کیا خطاب کیا تھا۔ اس نے مجھے رپورٹ پڑھ کر بھی سنائی تو میں نے کہا کہ اس میں کسی نے بھی سعودی حکومت کے خلاف کچھ نہیں بولا اور یہ تو عالمی سطح پر بات کی گئی ہے۔ پھر واپس کمرے میں بھیج دیا گیا۔

۳۵ دن بعد پھر بلایا گیا۔ وہی پرانے سوالات دہرائے گئے تو پھر اس نے کہا کہ (۱) تم اچھے ہو۔ لوگوں کو قرآن اور تجوید پڑھاتے ہو لیکن تمہارے امیر کے حزب التحریر والوں سے تعلقات ہیں (۲) کوئی بھی ملک کسی ایسی تنظیم کو پسند نہیں کرتا (۳) آپ لوگ تنظیم میں چندہ بھیجتے ہیں جو کہ جرم ہے۔ اس لئے ہم آپ کو اپنے ملک واپس بھیج دیں گے اور ان شاء اللہ آپ دو ہفتوں کے بعد چلے جائیں گے۔ آپ کو سامان اور کمپنی سے پورا پورا حساب بھی مل جائے گا۔

تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد فجر کی اذان سے پہلے دو آدمی میرے کمرے میں آئے اور کہا کہ اس کاغذ پر دستخط کرو۔ میں نے کہا کہ یہ کیا ہے تو کہنے لگے کہ ہم ایک دوسرے پاکستانی کو بھی تمہارے ساتھ کمرے میں رکھیں گے لیکن تم نے آپس میں کوئی بات نہیں کرنی سوائے سلام وغیرہ کے۔ اب مجھے شک ہوا کہ ہمارے سب ساتھیوں کو پکڑ لیا ہے ان کو میرے کمرے میں لا رہے ہیں (جناب سید افتخار الدین صاحب' امیر الخبر ادمام کو میں نے ایک روز دروازے کی چھوٹی کھڑکی سے چھپ کر دیکھ لیا تھا کہ وہ بھی میری ہی بیرک کے ایک کمرے میں تھے) میں نے کاغذ پر دستخط کر دیئے پھر تھوڑی دیر بعد جناب افتخار صاحب ان دونوں سپاہیوں کے ساتھ ہاتھ میں گدا' کمبل اور تکیہ اٹھائے کمرے میں آگئے۔ اب ہمارا منظر دیکھنے والا تھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں باتیں ہوئیں۔ سکتے کا سا عالم تھا۔ وہ منظر عمر بھر یاد رہے گا۔ پھر آہستہ آہستہ ہم نے باتیں کرنا شروع کر دیں۔ ان کے ذریعے معلوم ہوا کہ میرے بارہ دن بعد ان کو قید کیا گیا۔ باقی الجبیل اور الخبر ادمام والے ساتھی محفوظ ہیں' صرف الریاض کے امیر کو قید کیا ہے۔ افتخار الدین صاحب کی زوجہ پندرہ دن بعد ملاقات کے لئے آتی تھیں اور ہمیں پوری خبریں پہنچاتی تھیں۔ میں اپنے گھر والوں کی وجہ سے پریشان تھا۔ ایک دن افتخار صاحب کی زوجہ نے بتایا کہ نیازی صاحب کو کہیں کہ وہ پریشان نہ ہوں ان کے گھر والوں کو دوستوں نے یہ بتایا ہے کہ نیازی صاحب کام کے سلسلے میں جہاز پر سمندر میں گئے ہوئے ہیں۔ وہ خط' فون اور پیسے وغیرہ نہیں بھیج سکتے اور نہ ہی رابطہ کر سکتے ہیں۔ صرف الجبیل آفس سے رابطہ رہتا ہے اور ان کا کوئی پتہ نہیں کہ کب واپس آئیں گے۔ یہ خبر سن کر اللہ رب العزت کا شکر ادا کیا اور حوصلہ اور ہمت بڑھی کہ اب چاہے ساری عمر رکھیں کوئی پرواہ نہیں ہے۔ جیسا کہ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ میں اپنے گھر کا واحد کفیل ہوں لیکن گھر والوں کو خبر نہ ہونے سے اللہ تعالیٰ نے میرے گھر کو برباد ہونے سے بچالیا۔ اب اسی طرح دن گزرتے رہے اور قید تنہائی والے دن ختم ہو گئے تھے' اب ہم دونوں مستقبل کے بارے میں سوچتے۔ مختلف Plan بناتے' اللہ کی عبادت کرتے جس سے ذہنی کوفت ختم ہو گئی۔ پھر ایک دو مرتبہ مجھے اور افتخار صاحب کو الگ الگ بلوایا گیا اور یہ بتایا گیا کہ ایک ہفتہ تک آپ یہاں سے چلے جائیں گے۔ ہم نے انتظار میں دس دن گزار دیئے اور وہ دن بھی آگیا جس دن ہمیں رہائی ملنی تھی۔ صبح ہی صبح دو آدمی ہمارے کمرے میں آئے اور دو کاغذوں پر دستخط کروا کر چلے گئے۔ افتخار صاحب نے وہ کاغذ پڑھ لئے تھے اور وہ ہماری رہائی کے کاغذ تھے لیکن یہ نہیں لکھا تھا کہ کہاں جانا ہے۔ بہرحال تھوڑی ہی دیر بعد دوسرے دو سپاہی آگئے اور ہمیں کہا کہ اپنا سامان اٹھاؤ' گدا' تکیہ' کمبل وغیرہ بھی لے آؤ ہم لوگ خوش ہوئے لیکن تجسس میں پڑ گئے کہ اب ہمیں کہاں لے کر جائیں گے۔ ہم نے اس سے پوچھا کہ ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ہمیں کوئی پتہ نہیں ہے۔ ہمیں ایک کمرے میں لے گئے اور ہمارے کپڑے' پرس' پیسے اور جو چیزیں انہوں نے رکھی تھیں واپس کر دیں اور کہا کہ اب جیل والے کپڑے اتار دو اور اپنے کپڑے پہن لو۔ ہم نے کپڑے بدل لئے اور تیار ہو گئے۔ پھر تھوڑی دیر بعد ہمارے لئے ہتھکڑیاں اور بیڑیاں لائی گئیں اور ہم دونوں کو سلاسل میں جکڑ دیا' ایک پولیس وین میں بٹھایا اور دو سپاہی بھی ہمارے ساتھ گاڑی میں سوار ہوئے۔ گاڑی

اپنی تیز رفتاری سے سفر کرتی ہوئی ایک جگہ پر رکی تو ہمیں باہر نکالا گیا۔ پتہ چلا یہ "الجوازات الترحیل الدمام ۹۱" ہے۔ ہمیں اوپر لے جایا گیا اور کاغذی کارروائی کے بعد صبح تقریباً گیارہ بجے جیل میں ڈال دیا۔ یہ مئی کی ۳۱ تاریخ تھی۔ اس جیل کو آپ انسانوں کا باڑہ کہہ سکتے ہیں۔ یہاں پر کھانا ایسا تھا کہ ہم جانوروں کو بھی نہیں دیتے۔ پانی ۲۴ گھنٹے میں ایک مرتبہ ملتا تھا' وہ بھی گرم۔ اس لئے تقریباً سب ہی اپنا پانی خریدتے تھے۔ A/C کا کوئی خاص انتظام نہیں تھا۔ سونے کے لئے جہاں جگہ مل جائے لیٹ جاؤ۔ صفائی کا کوئی خاص انتظام نہیں تھا۔ گرمی سے حال برا ہوتا تھا لیکن پھر بھی یہ جیل ہمارے لئے جنت تھی جہاں کم از کم ہم انسانوں کے ساتھ رہ سکتے تھے' بول سکتے تھے' دیکھ سکتے تھے اور ملاقات بھی کر سکتے تھے۔ یہاں سے میں نے اپنے دوستوں کی طرف پیغام بھجوایا کہ میں فلاں جگہ ہوں اور ملاقات کے لئے آ سکتے ہیں۔ پھر تو ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہ منظر بھی بھولنے والا نہیں۔ ہر آنکھ میں آنسو ہوتے اور سسکیاں بھر کر روتے اور فریاد کرتے کہ یا اللہ یہ کیا ہو گیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حوصلہ دیا اور میرا جواب دوستوں اور رفقاء سے یہ ہوتا کہ ہم نے جو راہ حق اپنائی ہے اس میں ایسی آزمائشیں تو ضرور آتی ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ ہماری اس آزمائش کو آخرت میں نجات کا ذریعہ ضرور بنائے گا۔

پھر سات جون کو صبح مجھے الجبیل جیل لے جایا گیا۔ یہاں مجھے میرے کفیل نے ٹکٹ اور میرا سامان کمرے سے لا کر دینا تھا۔ اس جیل کا ماحول بھی الگ تھا۔ کھانا دمام جیل سے اچھا تھا لیکن تقسیم کرنے کا طریقہ اس طرح تھا جیسے کتوں اور جانوروں کو دیا جاتا ہے۔ یہاں میرے دوستوں اور رفقاء کو ملنے نہیں دیا جاتا تھا صرف چند ایک کو ملاقات کا موقع مل جاتا تھا وہ بھی اگر سپاہی موڈ میں ہو تو برکت تھی ورنہ یہاں قانون نہیں تھا۔ یہاں میں اپنے ایک عزیز دوست سید نذیر شاہ صاحب کا احسان کبھی نہیں بھول سکتا کہ روزانہ رات کا کھانا اپنے گھر سے پکوا کر لاتا تھا جو ہم تین چار قیدی کھا لیتے اور دعا دیتے۔ میں اپنے تمام دوستوں اور رفقاء کا احسان کبھی نہیں بھول سکتا کہ اتنی دور ملاقات کرنے کے لئے آتے' پیسہ خرچ کرتے اور ہماری عزت و حوصلہ افزائی کرتے۔ اللہ تعالیٰ سب کو جزاء خیر عطا فرمائے۔ آمین

۱۶ جون کو مجھے واپس الدام الترحیل۔ ۹۱ لے جایا گیا۔ میرے الجبیل جیل کے دوران یہاں سے جناب افتخار صاحب پاکستان جا چکے تھے۔ میرے پاس ٹکٹ اور تمام Clearance کے باوجود ایک ہفتہ لگ گیا اور ۲۲ جون کو میری رہائی کا دن آ گیا۔ مجھے پولیس Custody میں ایئر پورٹ لے جایا گیا۔ میں جونہی Lounge میں پہنچا تو الجبیل اپنے دوستوں کی طرف فون کیا تاکہ ان کو بھی خوشخبری سنا دوں لیکن مجھے فون پر کوئی دوست تو نہ ملا البتہ ایک افسوسناک خبر سنائی گئی کہ ہمارے ۱۰ رفقاء کو نوکری سے نکال دیا گیا ہے۔ یہ خبر میری تمام خوشیوں پر بجلی بن کر گری اور اتنا افسوس ہوا کہ بتا نہیں سکتا۔ میں ۲۲ جون کو بخیریت گھر پہنچ گیا اور چند دن بعد ہمارے ۱۰ الجبیل والے رفقاء بھی واپس آ گئے۔

یہ تھی داستان الم جو مجھ پر بیتی۔ لکھنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ مشاورتی و تربیتی پروگرام ۲۶ تا یکم نومبر ۹۷ء میں ہمارے بارے میں بتایا گیا اور کچھ ساتھیوں سے ہمارے ملاقات بھی ہوئی۔ رفقاء نے مشورہ دیا کہ آپ ساری کہانی "ندائے خلافت" میں شائع کرا دیں تاکہ اس سے رفقاء کے حوصلے بلند ہوں کہ اس راہ حق میں آزمائشیں اور امتحان تو آئیں گے' ایسا نہ ہو کہ ہمت ہار دیں۔ میں رفقاء سے گزارش کروں گا کہ وہ سورۃ العنکبوت کا مکمل مطالعہ کریں اور خاص کر کے شروع کی سات آیات کا' جس سے دل کو بہت چین ملتا ہے کہ راہ حق پر چلنے والوں سے اللہ تعالیٰ ضرور امتحان لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسے امتحان اور آزمائش سے بچائے رکھے اور ہم پر اتنا بڑا بوجھ نہ ڈالے کہ ہم برداشت نہ کر سکیں۔

ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں

نعیم اختر عدنان

☆ میری پریس کانفرنس ٹی وی پر دکھانے سے انکار کر دیا گیا۔ (سابق صدر فاروق لغاری)

O گویا فاروق لغاری نواز شریف سے شکایتاً یہ کہنا چاہتے ہیں کہ "بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے "میں" نکلا

☆ نوابزادہ نصر اللہ منگل کو سر شام ہی سو گئے۔ (ایک خبر)

O لگتا ہے نواب صاحب کے ساتھ ان کی "قسمت" بھی سو گئی ہے۔

☆ سوڈان کی پارلیمنٹ نے خاندانی منصوبہ بندی کو معطل کر دیا۔ (ایک خبر)

O محترمہ عابدہ حسین کے لئے "اندوہناک اور افسوسناک" خبر

☆ نواز شریف کو مشکل وقت میں بلیک میل نہیں کریں گے۔ (بیگم نسیم ولی خان)

O بلکہ ہم بلیک میلنگ کا "نیک کام" اچھے وقت میں کرنے کے عادی ہیں۔

☆ اقتدار خدا کی امانت ہے۔ (وزیر اعظم نواز شریف)

O میاں صاحب! اس کا عملی ثبوت بھی فراہم کریں۔

☆ جن فانوسوں کے نیچے حکومتیں اور اسمبلیاں برطرف ہوتی تھیں وہاں صدر کے استعفیٰ کا دا اس منظر دیکھنے میں آیا۔ (ایک خبر)

O "وتعزمن تشاء وتذل من تشاء" کا الٰہی فرمان ایسے ہی مواقع پر صادق آتا ہے۔

☆ لگتا ہے "میاں" ہی "میاں" کو لے ڈوبے گا۔ (حافظ حسین احمد)

O پیر پگاڑا کے بعد حافظ حسین احمد کی شکل میں "سیاسی پنڈتوں" میں ایک اچھا اضافہ ہے۔

☆ سپریم کورٹ کا کوئی جج شریعت پر عبور نہیں رکھتا' سب کو فارغ کر دیا جائے۔ (جسٹس (ر) شفیع محمدی)

O گویا "نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری"۔

☆ مثبت نتائج کی امید پیدا ہوئی تو تحریک چلائیں گے اور دھرنا بھی دیں گے۔ (قاضی حسین احمد)

O وہ اس لئے کہ ماضی میں ہمارے دھرنوں سے تو مسلسل "منفی" نتائج ہی برآمد ہوئے ہیں۔

☆ میں حق پر ہوں اور کربلا میں آ گیا ہوں۔ (چیف جسٹس سپریم کورٹ سجاد علی شاہ)

O شاہ صاحب آپ کو بھی حضرت حسینؓ کی طرح "کوفیوں" کی بے وفائی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

☆ پاکستان کے جمہوری اداروں کو فی الحال کوئی خطرہ نہیں۔ (امریکہ)

O "مستند" ہے انکل سام کا فرمایا ہوا

☆ ابھی حالات واضح نہیں ہیں۔ (سابق صدر غلام اسحاق خان)

O اسے کہتے ہیں "باسی کڑھی میں بھی ابال" آ رہے ہیں۔

افغانستان ـــــ جغرافیائی اور تاریخی پس منظر (۳)

(ماخوذ از: انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا' اخذ و ترجمہ: سردار اعوان)۔

محمد نادر شاہ (۱۹۲۹ء تا ۱۹۳۳ء)

امان اللہ کے دور کے رشتہ داروں محمد نادر خان اور اس کے بھائیوں نے حبیب اللہ دوم کو تخت سے علیحدہ کردیا اور ۱۰/ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو اس کے ۱۷ ساتھیوں سمیت اسے پھانسی دے دی۔ ایک قبائلی جرگہ نے نادر خان کو "شاہ" نامزد کردیا۔ اس نے بادشاہ بننے کے بعد اپنے مخالفین کو بے دردی کے ساتھ کچل دیا۔

نادر شاہ نے ۱۹۳۱ء میں امان اللہ کے ۱۹۲۳ء کے آئین کی طرز پر ایک نیا آئین پیش کیا جس کے ذریعے مذہبی لیڈروں کو خوش کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ ۱۹۳۰ء میں چھوٹے پیمانے پر صنعتی منصوبوں کے آغاز سے متعدد کاروباری حضرات کی سرکردگی میں قومی معیشت کی ترقی شروع ہوئی۔ ۸/ نومبر ۱۹۳۳ء کو نادر شاہ کو قتل کردیا گیا اور ۱۹ سالہ ولی عہد شہزادہ ظاہر باپ کی جگہ تخت نشین ہوا۔

محمد ظاہر شاہ (۱۹۳۳ء تا ۱۹۷۳ء)

ظاہر شاہ کے دور حکومت کے پہلے ۲۰ سال مجموعی طور پر ملکی استحکام' خارجہ تعلقات کی توسیع اور اپنے وسائل سے ملک کی ترقی میں صرف ہوئے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران ترقی کی رفتار میں کمی آئی لیکن افغانستان نے اپنی غیر جانب داری برقرار رکھی۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان کے قیام کے بعد ڈیورنڈ لائن کے برطانوی (پاکستانی) حصے میں رہنے والے پشتونوں کی سیاسی حیثیت کے بارے میں "پشتونستان" کا مسئلہ کھڑا ہوگیا۔ وزیراعظم شاہ محمود (۱۹۴۶ء تا ۱۹۵۳ء) نے آزادانہ انتخابات اور قدرے آزاد پریس کا اہتمام کیا اور ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۲ء تک کسی حد تک ایک آزاد پارلیمنٹ بھی کام کرتی رہی۔ تاہم حکومت میں موجود قدامت پرست عناصر نے مذہبی لیڈروں کی تائید سے لیفٹیننٹ جنرل محمد داؤد خان کے ۱۹۵۳ء میں اقتدار سنبھالنے کا خیر مقدم کیا۔

وزیراعظم داؤد خان (۱۹۵۳ء تا ۱۹۶۳ء)

داؤد خان نے پشتونستان کے مسئلے پر زیادہ سخت رویہ اپنایا اور معاشی اور فوجی امداد کے لئے سوویت یونین کا رخ کیا' جس پر اکثر لوگوں کو حیرت ہوئی۔ چنانچہ روس افغانستان کو سب سے زیادہ امداد فراہم کرنے اور اس کے ساتھ تجارت کرنے والا ملک بن گیا۔ افغانستان سرد جنگ میں اپنی غیر جانبداری کے باعث معاشی لحاظ سے "کوریا" بن گیا۔ داؤد خان نے کامیابی کے ساتھ کئی دوررس تعلیمی اور سماجی تبدیلیاں نافذ کیں۔ انہوں نے عورتوں کو پردہ ترک کرنے کا اختیار دیا جس سے مزدوروں کی تعداد ۵۰ فیصد بڑھ گئی۔ تاہم حکومت نے سیاسی لحاظ سے سخت رویہ اپنائے رکھا اور کسی قسم کی مخالفت کو برداشت نہیں کیا گیا۔

پشتونستان کے مسئلے نے داؤد خان کو بڑی تیزی سے زوال سے دوچار کردیا۔ افغانستان کے سخت رویے کے رد عمل میں پاکستان نے اگست ۱۹۶۱ء میں افغانستان کے ساتھ اپنی سرحد بند کردی اور جب اس بندش نے طول پکڑا تو افغانستان تجارت اور راہداری کی سہولت کے معاملے میں روس کا محتاج ہو کر رہ گیا۔ اس صورت حال میں تبدیلی پیدا کرنے کے لئے مارچ ۱۹۶۳ء میں داؤد خان نے استعفیٰ دے دیا اور مئی میں پاک افغان سرحد دوبارہ کھول دی گئی' اگرچہ پشتونستان کا مسئلہ اس کے بعد بھی موجود رہا۔

ظاہر شاہ اور اس کے مشیروں نے آئینی بادشاہت کا ایک تجربہ کیا۔ ۱۹۶۴ء میں قومی اسمبلی نے ایک نیا آئین منظور کیا جس کے تحت ایوان عام کے لئے ۲۱۶ ارکان اور ایوان بزرگان کے لئے ۸۴ ارکان کی تعداد مقرر ہوئی جن میں سے ایک تہائی عوام کے منتخب کردہ' ایک تہائی بادشاہ کے مقرر کردہ اور ایک تہائی بلاواسطہ طور پر نئی صوبائی اسمبلیوں کی طرف سے منتخب کئے جانے تھے۔

دونوں ایوانوں کے انتخابات ۱۹۶۵ء اور ۱۹۶۹ء میں ہوئے۔ کئی اپوزیشن جماعتوں نے اپنے امیدوار کھڑے کئے' ان میں کٹر اسلامی اور انتہائی دائیں بازو کے لوگ بھی تھے۔ اس کے نتیجے میں قومی سیاست میں گروہی تضادات اور واضح گروہ بندی نمایاں ہونے لگی۔ اس صورت حال کا نتیجہ ۵ مختلف وزرائے اعظم کی وہ تعیناتیاں تھیں جو شاہ نے یکے بعد دیگرے ستمبر ۱۹۶۵ء سے دسمبر ۱۹۷۲ء تک کیں۔ شاہ نے سیاسی جماعتوں کا ایکٹ' صوبائی مجالس کا ایکٹ' اور بلدیاتی مجالس کا ایکٹ نافذ نہ کرکے سیاسی عمل کے پروان چڑھنے کی وہ راہ بند کردی جس کی آئین میں ضمانت دی گئی تھی۔ چنانچہ انتظامیہ اور مقننہ کے درمیان اقتدار کی کشمکش شروع ہوگئی۔ ۱۹۶۴ء کے آئین میں جس آزاد سپریم کورٹ کے قیام کا مطالبہ کیا گیا تھا' وہ بھی قائم نہ کی گئی۔

سابق وزیراعظم ظاہر شاہ کے برادر نسبتی اور چچازاد بھائی' داؤد خان نے آئینی تعطل کو دیکھتے ہوئے ۱۷/ جولائی ۱۹۷۳ء کو تقریباً پرامن طور پر ظاہر شاہ کا تختہ الٹ کر حکومت پر قبضہ کرلیا۔ بائیں بازو کے فوجی افسروں اور پرچم

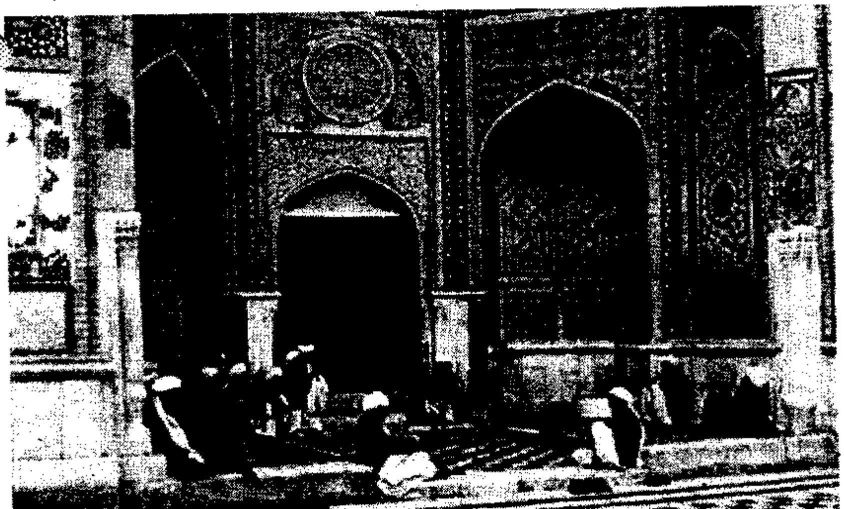

15 ویں صدی میں تعمیر کی گئی گزرگاہ جامع مسجد کا ایک منظر

افغانستان ——— جغرافیائی اور تاریخی پس منظر (۳)

(ماخوذ از: انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا' اخذ و ترجمہ: سردار اعوان)۔

محمد نادر شاہ (۱۹۲۹ء تا ۱۹۳۳ء)

امان اللہ کے دور کے رشتہ داروں محمد نادر خان اور اس کے بھائیوں نے حبیب اللہ دوم کو تخت سے علیحدہ کردیا اور ۱۰/ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو اس کے ۱۷ ساتھیوں سمیت اسے پھانسی دے دی۔ ایک قبائلی جرگہ نے نادر خان کو "شاہ" نامزد کردیا۔ اس نے بادشاہ بننے کے بعد اپنے مخالفین کو بے دردی کے ساتھ کچل دیا۔

نادر شاہ نے ۱۹۳۱ء میں امان اللہ کے ۱۹۲۳ء کے آئین کی طرز پر ایک نیا آئین پیش کیا جس کے ذریعے مذہبی لیڈروں کو خوش کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ ۱۹۳۰ء میں چھوٹے پیمانے پر صنعتی منصوبوں کے آغاز سے متعدد کاروباری حضرات کی سرکردگی میں قومی معیشت کی ترقی شروع ہوئی۔ ۸/ نومبر ۱۹۳۳ء کو نادر شاہ کو قتل کردیا گیا اور ۱۹ سالہ ولی عہد شہزادہ ظاہر باپ کی جگہ تخت نشین ہوا۔

محمد ظاہر شاہ (۱۹۳۳ء تا ۱۹۷۳ء)

ظاہر شاہ کے دور حکومت کے پہلے ۲۰ سال مجموعی طور پر ملکی استحکام' خارجہ تعلقات کی توسیع اور اپنے وسائل سے ملک کی ترقی میں صرف ہوئے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران ترقی کی رفتار میں کمی آئی لیکن افغانستان نے اپنی غیر جانب داری برقرار رکھی۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان کے قیام کے بعد ڈیورنڈ لائن کے برطانوی (پاکستانی) حصے میں رہنے والے پشتونوں کی سیاسی حیثیت کے بارے میں "پشتونستان" کا مسئلہ کھڑا ہوگیا۔ وزیراعظم شاہ محمود (۱۹۴۶ء تا ۱۹۵۳ء) نے آزادانہ انتخابات اور قدرے آزاد پریس کا اہتمام کیا اور ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۲ء تک کسی حد تک ایک آزاد پارلیمنٹ بھی کام کرتی رہی۔ تاہم حکومت میں موجود قدامت پرست عناصر نے مذہبی لیڈروں کی تائید سے لیفٹیننٹ جنرل محمد داؤد خان کے ۱۹۵۳ء میں اقتدار سنبھالنے کا خیر مقدم کیا۔

وزیراعظم داؤد خان (۱۹۵۳ء تا ۱۹۶۳ء)

داؤد خان نے پشتونستان کے مسئلے پر زیادہ سخت رویہ اپنایا اور معاشی اور فوجی امداد کے لئے سوویت یونین کا رخ کیا' جس پر اکثر لوگوں کو حیرت ہوئی۔ چنانچہ روس افغانستان کو سب سے زیادہ امداد فراہم کرنے اور اس کے ساتھ تجارت کرنے والا ملک بن گیا۔ افغانستان سرد جنگ میں اپنی غیر جانبداری کے باعث معاشی لحاظ سے "کوریا" بن گیا۔ داؤد خان نے کامیابی کے ساتھ کئی دوررس تعلیمی اور سماجی تبدیلیاں نافذ کیں۔ انہوں نے عورتوں کو پردہ ترک کرنے کا اختیار دیا جس سے مزدوروں کی تعداد ۵۰ فیصد بڑھ گئی۔ تاہم حکومت نے سیاسی لحاظ سے سخت رویہ اپنائے رکھا اور کسی قسم کی مخالفت کو برداشت نہیں کیا گیا۔

پشتونستان کے مسئلے نے داؤد خان کو بڑی تیزی سے زوال سے دوچار کردیا۔ افغانستان کے تحت رویے کے رد عمل میں پاکستان نے اگست ۱۹۶۱ء میں افغانستان کے ساتھ اپنی سرحد بند کردی اور جب اس بندش نے طول پکڑا تو افغانستان تجارت اور راہداری کی سہولت کے معاملے میں روس کا محتاج ہو کر رہ گیا۔ اس صورت حال میں تبدیلی پیدا کرنے کے لئے مارچ ۱۹۶۳ء میں داؤد خان نے استعفیٰ دے دیا اور مئی میں پاک افغان سرحد دوبارہ کھول دی گئی' اگرچہ پشتونستان کا مسئلہ اس کے بعد بھی موجود رہا۔

ظاہر شاہ اور اس کے مشیروں نے آئینی بادشاہت کا ایک تجربہ کیا۔ ۱۹۶۴ء میں قومی اسمبلی نے ایک نیا آئین منظور کیا جس کے تحت ایوان عام کے لئے ۲۱۶ ارکان اور ایوان بزرگان کے لئے ۸۴ ارکان کی تعداد مقرر ہوئی جن میں سے ایک تہائی عوام کے منتخب کردہ' ایک تہائی بادشاہ کے مقرر کردہ اور ایک تہائی بلاواسطہ طور پر نئی صوبائی اسمبلیوں کی طرف سے منتخب کئے جانے تھے۔

دونوں ایوانوں کے انتخابات ۱۹۶۵ء اور ۱۹۶۹ء میں ہوئے۔ کئی اپوزیشن جماعتوں نے اپنے امیدوار کھڑے کئے' ان میں کٹر اسلامی اور انتہائی دائیں بازو کے لوگ بھی تھے۔ اس کے نتیجے میں قومی سیاست میں گروہی تضادات اور واضح گروہ بندی نمایاں ہونے لگی۔ اس صورت حال کا نتیجہ ۵ مختلف وزرائے اعظم کی وہ تعیناتیاں تھیں جو شاہ نے یکے بعد دیگرے ستمبر ۱۹۶۵ء سے دسمبر ۱۹۷۲ء تک کیں۔ شاہ نے سیاسی جماعتوں کا ایکٹ' صوبائی مجالس کا ایکٹ' اور بلدیاتی مجالس کا ایکٹ نافذ نہ کرکے سیاسی عمل کے پروان چڑھنے کی وہ راہ بند کردی جس کی آئین میں ضمانت دی گئی تھی۔ چنانچہ انتظامیہ اور مقننہ کے درمیان اقتدار کی کشمکش شروع ہوگئی۔ ۱۹۶۴ء کے آئین میں جس آزاد سپریم کورٹ کے قیام کا مطالبہ کیا گیا تھا' وہ بھی قائم نہ کی گئی۔

سابق وزیراعظم ظاہر شاہ کے برادر نسبتی اور چچازاد بھائی' داؤد خان نے آئینی تعطل کو دیکھتے ہوئے ۱۷/ جولائی ۱۹۷۳ء کو تقریباً پرامن طور پر ظاہر شاہ کا تختہ الٹ کر حکومت پر قبضہ کرلیا۔ بائیں بازو کے فوجی افسروں اور پرچم

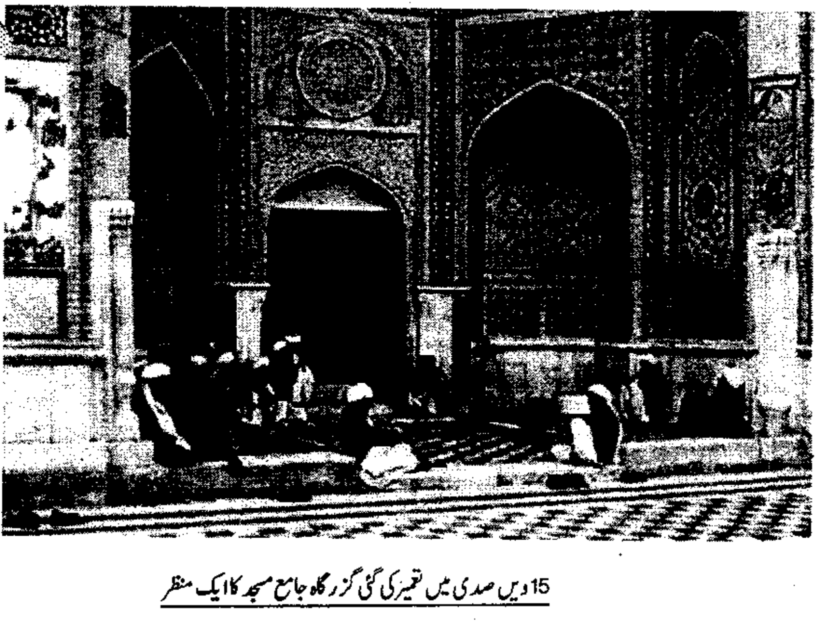

15ویں صدی میں تعمیر کی گئی گزرگاہ جامع مسجد کا ایک منظر

پارٹی کے سول افسروں نے حکومت کا تختہ الٹنے میں اس کا ساتھ دیا۔ داؤد خان نے ۱۹۶۴ء کا آئین منسوخ کردیا اور افغانستان جمہوریہ قائم کردیا اور خود اس کی مرکزی کمیٹی کا چیئرمین اور وزیراعظم بن بیٹھا۔

جمہوریہ افغانستان (۱۹۷۳ء تا ۱۹۷۸ء)

داؤد خان نے اپنے وزارت عظمیٰ کے دوسرے دور میں معاشی وسماجی اصلاحات اور ایک نیا آئین لانے کی کوشش کی' نیز اپنے پہلے دور میں اختیار کردہ سوشلسٹ نظریات سے آہستہ آہستہ کنارہ کش ہونے کی روش اختیار کی۔ افغانستان نے دیگر مسلم ممالک کے ساتھ تعلقات کو وسعت دی اور ان میں گرم جوشی پیدا کی تاکہ روس اور امریکہ پر انحصار کم کیا جاسکے۔ علاوہ ازیں داؤد خان وزیراعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ پشتونستان کا مسئلہ حل کرنے پر بھی راضی ہوگیا۔

داؤد خان نے قومی اسمبلی سے اپنا ۱۹۷۷ء کا آئین منظور کرایا جس میں کئی اضافے اور ترامیم کی گئی تھیں۔ مارچ ۱۹۷۷ء میں داؤد خان جو اس وقت افغانستان میں صدر کے عہدے پر فائز تھا' نے ایک نئی کابینہ تشکیل دی جس میں اپنے کاسہ لیس' دوست' دوستوں کے بیٹے اور شاہی خاندان سے دور و نزدیک کا تعلق رکھنے والے افراد جمع کرلئے۔ اس پر بائیں بازو کی دو بڑی جماعتیں خلق اور پرچم' اپنی ۱۰ سالہ علیحدگی ختم کرکے داؤد خان کے مقابلے میں متحدہ طور پر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اس کے بعد سیاسی قتل وغارت اور حکومت مخالف مظاہروں کے نتیجے میں بائیں بازو کے بڑے بڑے لیڈروں کی گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ امریکہ سے تعلیم یافتہ خلق پارٹی کے ایک راہنما امین الحفیظ نے اپنی گرفتاری سے قبل فوج میں موجود اپنے پارٹی ممبروں سے رابطہ قائم کرکے انہیں بغاوت پر آمادہ کیا' یہ بغاوت کامیاب رہی۔ داؤد خان اور اس کے خاندان کے بیشتر افراد ہلاک کردیئے گئے اور ۲۷/ اپریل ۱۹۷۸ء کو عوامی جمہوریہ افغانستان کی بنیاد رکھ دی گئی۔

عوامی جمہوریہ افغانستان (۱۹۷۸ء سے)

نور محمد ترکئی انقلابی کونسل کا صدر' ملک کا وزیراعظم اور متحدہ عوامی جمہوری پارٹی آف افغانستان (PDPA) کا سیکرٹری جنرل منتخب کرلیا گیا۔ پرچم پارٹی کا ایک راہنما ببرک کارمل اور حفیظ اللہ امین نائب وزرائے اعظم منتخب ہوئے۔ نئی حکومت میں شامل راہنماؤں کا اصرار تھا کہ وہ روس کے ایجنٹ نہیں ہیں بلکہ ان کی پالیسیاں افغان قوم کی امنگوں' اسلامی اصولوں' سماجی ومعاشی عدل' خارجہ معاملات میں غیر جانبداری اور پچھلی حکومتوں کی طرف سے کئے گئے معاہدوں اور سمجھوتوں کے احترام پر مبنی ہوں گی۔

نواز شریف کے نام کھلا خط

از' محمد نسیم الدین' امیر حلقہ سندھ و بلوچستان

عزت ماب' جناب وزیراعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی! اس خط کا محرک آپ کا وہ بیان ہے جو آج کے اخبارات میں شائع ہوا ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ آپ کو بتایا جائے کہ آپ کون سا کام غلط کیا ہے۔ پہلے تو واضح کردوں کہ میں جو گزارشات آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں وہ ان تقاضوں کی تکمیل کی ادنیٰ کوشش ہے جو معروف حدیث نبویؐ میں وارد ہوئے ہیں جس میں دین کو نصح و خیر خواہی کا نام دیا گیا ہے۔ جو اللہ' اس کے رسولؐ' اس کی کتاب' مسلمانوں کے آئمہ (قائدین) اور عام مسلمانوں کیلئے ہونی چاہئے۔

آپ نے فرمایا ہے کہ اقتدار کو آپ امانت تصور کرتے ہیں۔ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ لاشعوری طور پر یا نادانستگی میں آپ اس امانت میں خیانت کے مرتکب ہوئے ہیں۔

محترم من! آپ کو علم ہے کہ مسلمانوں کا حکمران خود مقتدر نہیں ہوتا بلکہ وہ اصل حکمران یعنی اللہ جل شانہ کا نائب ہوتا ہے اور اس حیثیت میں اس کا فرض ہے کہ وہ اللہ [illegible] یعنی قرآن وسنت کی بالادستی کو قائم کرے۔ آپ نے اس کا وعدہ قوم سے کیا تھا لیکن آج تک وہ وعدہ پورا نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے مواقع پیدا کئے جس کے ذریعہ آپ کا امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد سے رابطہ ہوا اور انہوں نے ایسی تمام دستوری ترامیم کی تجویز آپ کے سامنے رکھ دی جس کی منظوری کے بعد یہ وعدہ پورا کیا جاسکتا تھا۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ آپ پر حجت قائم کردی اور آپ نے وفاقی وزیر برائے مذہبی امور محترم راجہ ظفر الحق سے فرمایا کہ وہ بل کی تیاری کریں۔ لیکن مجھے انتہائی دکھ سے لکھنا پڑ رہا ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے اقتدار حقیقی کو نافذ کرنے کی بجائے اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کی تمام تدابیر کرڈالیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو موجودہ بحران کی صورت میں ایک چھوٹے عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے اور اندیشہ ہے کہ اگر آپ نے اب بھی اپنا وعدہ پورا نہ کیا تو بڑے عذاب یعنی نہ صرف اقتدار سے محرومی کا آپ کو سامنا کرنا پڑے بلکہ قید وبند کی دنیوی رسوائی میں بھی آپ کو خدانخواستہ مبتلا ہونا پڑے۔

بنابریں' آپ سے انتہائی عاجزانہ درخواست ہے کہ خدارا فوری طور پر اللہ تعالیٰ کے حضور خلوص دل کے ساتھ توبہ کریں اور تلافی مافات کے لئے قرآن وسنت کی دستور سمیت وطن عزیز میں ہر سطح پر بالادستی کے لئے ترمیمی بل منظور کروائیں۔ مجھے یقین ہے کہ صدر مملکت اس بل کی عدم توثیق کی کسی صورت میں بھی جرات نہیں کرسکیں گے۔ مجھے اس بات کا بھی یقین ہے کہ آپ کی دلی خواہش بھی یہی ہے لیکن کچھ نادیدہ قوتیں اس راہ میں رکاوٹ بن رہی ہیں۔

محترم وزیراعظم! اگر آپ نے جرات مندی کے ساتھ یہ کام کیا تو دنیا کی بڑی سے بڑی قوت بھی آپ کا بال بیکا نہیں کرسکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو اس کی مدد کرتے ہیں وہ لازماً اس کی مدد کرتا ہے

جس کا حامی ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مصائب دنیوی سے اپنی پناہ میں رکھے اور ملک وملت کو قرآن وسنت کی بالادستی کے نتیجے میں دین ودنیا کی فلاح نصیب فرمائے۔ آمین

خلق پارٹی کو فوج میں اثر و رسوخ کے باعث جب حکومت میں فوقیت حاصل ہوئی تو پرچم پارٹی کے ساتھ اس کا اتحاد جلد ہی مدہم پڑنے لگا۔ پرچم پارٹی سے منتخب ہونے والے کارمل اور دوسرے لیڈروں کو سفیر بنا کر باہر بھیج دیا گیا۔ حکومت کو پرچم پارٹی یا کسی اور لیڈر سے مخالفت کا اندیشہ ہوتا تو اسے بڑی صفائی سے راستے سے ہٹا دیا جاتا۔

ترکئی حکومت نے کئی اصلاحی پروگراموں کا اعلان کیا جن میں سود کا خاتمہ' عورتوں کے لئے برابر کے حقوق' زرعی اصلاحات اور مارکس اور لینن کے طرز کی انتظامی اصلاحات شامل تھیں۔ ملک کے دور دراز علاقوں میں رہنے والے لوگ روسی وسط ایشیاء سے نشر ہونے والے پروگراموں سے واقف تھے۔ چنانچہ انہوں نے خلق پارٹی کو روس نواز کمیونسٹ پارٹی پر محمول کیا' اگرچہ یہ اصلاحی پروگرام افغانوں کے بنیادی طرز زندگی سے متصادم تھے اور جابرانہ طرز حکومت کی وجہ سے بھی لوگوں کی اکثریت حکومت سے نالاں تھی لیکن اسکے خلاف کوئی پرتشدد رد عمل ظاہر نہیں ہوا۔ بالآخر ۱۹۷۸ء کے موسم گرما کے اواخر میں نورستان سے بغاوت کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد ملک کے دوسرے صوبوں میں بھی الگ الگ یہ سلسلہ پھیلتا چلا گیا اور وقتاً فوقتاً کابل اور دوسرے بڑے شہروں میں دھماکے ہونے لگے۔ ۱۴/ فروری ۱۹۷۹ء کو امریکہ کے سفیر اڈولف ڈبس کو قتل کر دیا گیا' جس کے نتیجے میں افغانستان کو ملنے والی امریکی امداد بند ہو گئی۔

۲۸/ مارچ ۱۹۷۹ء کو حفیظ اللہ امین نے وزیراعظم کا عہدہ سنبھال لیا' گو ترکئی انقلابی کونسل کے صدر اور PDPA کے سیکرٹری جنرل کے عہدے پر برقرار رہا۔ اس کے باوجود ملک کے اندر بغاوتوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور افغان فوج بے بس ہو کر رہ گئی۔ امین حکومت نے مزید سوویت فوجی امداد طلب کی جو فراہم کر دی گئی۔ ترکئی کو امین کے حامیوں کے ساتھ محاذ آرائی کے نتیجے میں ستمبر ۱۹۷۹ء میں قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد امین نے ملک کے اندر اپنے معاونین کے حلقے کو وسعت دینے کے ساتھ ساتھ افغانستان کی سلامتی کے بارے میں پاکستان اور امریکہ کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی مگر اس دوران ۲۴/ ستمبر ۱۹۷۹ء کی رات روسیوں نے افغانستان پر حملے کا آغاز کر دیا اور ۲۷/ دسمبر کو حفیظ اللہ امین کو اس کے ساتھیوں سمیت قتل کر دیا گیا۔

ببرک کارمل روس سے واپس افغانستان پہنچا اس نے وزیراعظم' انقلابی کونسل کے صدر اور PDPA کے سیکرٹری جنرل کے عہدے سنبھال لئے۔ کارمل اور اس کے پشت پناہ روسیوں کے خلاف بڑی تیزی سے نفرت پھیلنے لگی' شہروں میں مظاہروں اور تشدد کے واقعات میں اضافہ ہوا اور ملک کے تمام علاقوں میں مزاحمت میں شدت آگئی۔ ۱۹۸۰ء میں کارمل نے خلق پارٹی کے رکن

تذکیر و موعظت

ہار اور جیت کے فیصلہ کا دن

نجیب صدیقی' کراچی

جس جہاز کا سمت سفر متعین نہ ہو وہ ہواؤں کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ ہوا انہیں اپنی مرضی کی سمت سفر پر چلاتی ہے۔ ہمارا ملک بھی ایسے ہی جہاز کے مانند ہے جسے یہ نہیں معلوم کہ اسے کس سمت سفر کرنا ہے۔ کہیں سے آواز اٹھتی ہے کہ اس ملک میں برطانوی طرز کا پارلیمانی نظام ہی بہتر ہے' کوئی کہتا ہے کہ صدارتی نظام ہی سے یہ ملک قائم رہ سکتا ہے۔ کوئی مارشل لاء کی بات کرتا ہے' کہیں ڈکٹیٹرشپ کی تمنا کی جاتی ہے الغرض بھانت بھانت کی بولیاں بولی جا رہی ہیں۔ اس ملک کو قائم ہوئے تقریباً پچاس برس ہو گئے اور ان پچاس برسوں میں یہ بولیاں مختلف اوقات میں مختلف گوشوں سے برابر سنی جا رہی ہیں۔

عوام الناس کا حال یہ ہے کہ وہ دم بخود ہیں' انہیں تو بتایا گیا تھا کہ یہ ملک اسلامی نظام کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ ملک میں ایسے گوشے بھی ہیں جہاں سے دبی آواز میں اس بات کی یاد دہانی کرائی جاتی ہے مگر اقتدار پر جو لوگ قابض ہیں ان کا کھیل یہ ہے کہ عوام الناس کو مختلف مسائل میں الجھاؤ اور انہیں اس نظریہ کی طرف متوجہ مت ہونے دو۔ ہمارے ملک کی باگ ڈور جن لوگوں کے ہاتھوں میں ہے وہ اگر اس نظریہ سے متفق ہوتے تو آج وہ مسائل جس نے بحران کی شکل پیدا کر دی ہے پیدا نہ ہوتے۔ بحران چار بڑوں کے درمیان تھا' انہیں کا پیدا کردہ تھا۔ عوام الناس کی حیثیت ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کے مانند تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ اس جہاز کو اس کے چار کپتان اپنی اپنی سمتوں پر لے جانا چاہتے ہیں۔ یہ بد قسمتی اپنی جگہ پر ہے کہ اس جہاز کے مسافر اگر متحد اور متفق ہوتے تو یقیناً اس کی باگ ڈور ایسے لوگوں کے ہاتھ میں دیتے جو اس کے مقصد وجود کی سمت سفر پر لے جاتے۔

بعض لوگ اس بحران کو بڑے طوفان سے تعبیر کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ طوفان ٹلا نہیں تھا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ کرپشن کو روکنے کے لئے احتساب بٹھانے کی وجہ سے یہ بھونچال آیا ہے۔ کچھ خاموش زبانیں پوچھتی ہیں کہ احتساب کمیشن سر آنکھوں پر مگر کیا اس بات کا احتساب نہیں ہونا چاہئے کہ اس ملک کو جس مقصد کے لئے قائم کیا گیا تھا اس پر کتنی پیش رفت ہوئی' جن لوگوں کو اقتدار ملا انہیں اس احتساب کمیشن کے سامنے پیش ہونا چاہئے۔ اس سے بڑا جرم اور کیا ہو گا کہ آپ نے مقصد سے انحراف کیا ہے۔ توہین عدالت کی باریکیوں پر غور کرنے کے لئے ملک کے چوٹی کے قانونی سر جوڑ کر بیٹھے۔ ان دانشوروں کو کبھی توفیق نہیں ہوئی کہ ایک پٹیشن اس بات کی بھی دائر کریں کہ اس ملک کو اس کے سمت سفر پر کیوں نہیں چلایا گیا' اس کے نظریات سے انحراف اور گریز' اس نظریہ کی توہین نہیں ہے؟۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اس کھیل کا دائرہ اسی زندگی تک ہے اور یہ زندگی ہی کھیل کا اصل میدان ہے انہیں اس بات کا شعور ہوتا کہ اس زندگی کی حیثیت آنے والی زندگی کے مقابلے میں اقل قلیل سے بھی کم ہے اور اصل کھیل تو اس میدان میں ہو گا جسے ہم اصطلاح میں "حشر" کہتے ہیں۔

توہین عدالت کا اصل اسٹیج وہ میدان حشر ہو گا جس کے مدعی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود ہوں گے اور یہ قرآن بھی مدعی کی حیثیت سے پیش ہو گا۔ فیصلہ کرنے والا وہ عالم الغیب ہو گا جو دلوں کے حال سے واقف ہے جو وسوسوں تک کی خبر رکھتا ہے۔ وہاں جوڑ توڑ کا کوئی تصور نہیں۔ وہاں تو اپنے جسم کے اعضاء بھی اپنے خلاف گواہی دیں گے۔ انسان حیران ہو گا کہ یہ ہمارے ہاتھ پیر ہمارے خلاف گواہی دے رہے ہیں۔ انصاف ہوتا ہوا نظر آئے گا' سازشی عناصر بے نقاب ہوں گے' انہیں کوئی جائے فرار نہ ہو گی۔ پکارنے والا پکارے گا کہ آج ہار جیت کا دن ہے۔ اس دن وہ لوگ سرخرو ہوں گے جنہوں نے حق بات کہی' حق بات کا ساتھ دیا اور حق بات کے لئے قربانی دی۔ ان کا جینا اور مرنا حق کے لئے تھا۔ ان لوگوں نے دنیا کی زندگی کو عارضی سمجھا۔ اس دنیا سے انہوں نے جائز حق وصول کئے کسی کا حق نہیں مارا کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کی' نہ امانت میں خیانت کی نہ کسی کو دھوکہ دیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے حق کا بول بالا کرنے کے لئے اپنا تن من دھن لگا دیا۔ دنیا کے کسی چیز کی پروا نہیں کی' صرف اس دھن میں لگے رہے کہ ہمارا رب ہم سے راضی ہو جائے۔

اس دنیا میں یہ دونوں راہیں موجود ہیں۔ انسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کسی ایک راہ کا انتخاب کرے۔

اسد اللہ سروری کو نائب وزیر اعظم کے عہدے سے ہٹا کر پرچم پارٹی کے سلطان علی کشتمند کو اس کی جگہ مقرر کیا تو پرچم اور خلق کے درمیان پائی جانے والی تلخی انتہا کو پہنچ گئی۔ جون ۱۹۸۱ء میں جب کارمل نے اپنے باقی عہدے برقرار رکھتے ہوئے وزیر اعظم کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور اس کی جگہ کشتمند نے وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالا تو حکومت میں پرچم پارٹی کو مزید بالا دستی حاصل ہو گئی۔

۴/ مئی ۱۹۸۶ء کو خفیہ پولیس کا سابق سربراہ' محمد نجیب اللہ کارمل کی جگہ PDPA کا سیکرٹری جنرل مقرر ہوا اور نومبر ۱۹۸۶ء میں کارمل کو تمام پارٹی اور حکومتی عہدوں سے فارغ کر دیا گیا۔ پرچم اور خلق پارٹی کے درمیان اختلاف بڑھتا گیا۔ ستمبر ۱۹۸۶ء میں پولٹ بیورو کے ایما پر قومی مفاہمت کی تحریک شروع ہوئی جس پر افغانستان میں سرد مہری کا اظہار کیا گیا اور پاکستان میں مقیم مزاحمتی تحریک کے راہنماؤں نے اسے یکسر مسترد کر دیا۔

روسیوں کے خلاف افغان مزاحمت جاری رہی۔ فوج سے فرار کے باعث ۱۹۷۸ء میں ۱۰۵,۰۰۰ کی نفری ۱۹۸۷ء میں ۲۰ سے ۳۰ ہزار کے درمیان رہ گئی۔ روسی جو بھی نیا حربہ آزمانے کی کوشش کرتے' اس کا توڑ کر لیا جاتا۔ مثال کے طور پر روسیوں نے خصوصی دستے استعمال کئے تو جواب میں ان پر اچانک حملوں کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔

مزاحمت کو کچلنے کے لئے اگر کوئی روسی ہتھیار موثر ثابت ہو رہا تھا تو وہ صرف گن شپ ہیلی کاپٹر اور جیٹ بمبار طیارے تھے۔ تاہم ۱۹۸۶ء کے اواخر میں مجاہدین کو مغربی ممالک سے بہتر اور زیادہ تعداد میں ہتھیار ملنے لگے۔ ان میں زیادہ اہم کندھے پر اٹھا کر چلائے جانے والے اور زمین سے ہوا میں مار کرنے والے سٹنگر میزائل تھے جس سے روسی اور افغانی ہوائی افواج کو شدید نقصان ہونے لگا۔

مئی ۱۹۸۶ء میں پاکستان مجاہدین کو امداد دینے والے بیرونی ممالک اور خود مجاہد کمانڈروں کے دباؤ کے تحت پشاور میں مقیم مجاہدین کے سات اہم گروہوں کو آپس میں اتحاد قائم کرنے پر مجبور ہونا پڑا جس کی بنا پر افغانستان کے اندر نسلی اور لسانی قربت کے حامل مجاہدین گروہ اپنے اپنے علاقوں میں فوجی اور سیاسی طور پر متحد ہو گئے۔ بعض علاقوں مثلاً ہزارجت اور نورستان میں جہاں روسی مداخلت نسبتاً کم تھی' آپس میں قیادت کے مسئلے پر کشمکش بھی دیکھنے میں آئی۔ اگرچہ قومی سطح پر کوئی محاذ موجود نہیں تھا لیکن جہادی گروپوں کو یہ احساس ہونے لگا تھا کہ انہیں مل جل کر افغانستان کو آزاد کرانا ہے۔

پاکستان اور افغانستان کے وزرائے خارجہ کے مابین جنیوا میں اقوام متحدہ کی زیر نگرانی ہونے والے اپریل ۱۹۸۶ء کے مذاکرات میں امن معاہدوں پر دستخط ہوئے۔ چنانچہ سوویت روس کے جنرل سیکرٹری' میخائیل گورباچوف نے اس سال مئی میں افغانستان سے فوجیں نکالنے کا اپنا سابقہ وعدہ نبھایا۔ پروگرام کے مطابق روسی فوجی دستے واپس جانے شروع ہو گئے اور ۱۵/ فروری ۱۹۸۹ء کو آخری روسی سپاہی بھی افغانستان سے نکل گیا۔

گوشہ خواتین

عظمت کے نشان

محترمہ حمیرا مودودی' جماعت اسلامی پاکستان کے بانی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی صاحبزادی ہیں۔ مشرقی پاکستان اور سعودی عرب میں اپنے شوہر کے ساتھ بسلسلہ ملازمت طویل عرصہ تک مقیم رہیں اور دونوں ممالک میں تدریس کے فرائض ادا کرتی رہیں۔ محترمہ حمیرا مودودی نے اپنے انٹرویو میں عورتوں کے مسائل کے بارے میں کہا کہ پاکستانی خواتین کا سب سے بڑا مسئلہ بچوں کو اچھی تعلیم و تربیت فراہم کرنا ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی کے دلچسپ اور سبق آموز واقعات بھی بیان کئے جن میں ہمارے لئے بھی سبق آموزی کے کئی پہلو موجود ہیں۔

میں نے کافی عرصہ ریاض میں گزارا ہے۔ وہاں پر میں شعبہ تعلیم میں ملازمت کرتی تھی۔ ہم لوگ مختلف سکولوں کی انسپکشن کے لئے جایا کرتے تھے۔ ہم جہاں بھی جاتے وہاں سکول والے ہم سے اچھا سلوک نہیں کرتے تھے' اس لئے ہم ان کی رپورٹ بھی اچھی نہیں لکھا کرتے تھے۔ ایک بار ہم ایک سکول کی انسپکشن پر گئے' وہاں ہماری بڑی خاطر تواضع کی گئی۔ وہاں کی پرنسپل نے ہمارے ساتھ اچھی طرح بات کی اور جھک جھک کر سلام بھی کیا۔ سکول سٹاف کو وہ ناموں سے نہیں بلکہ خالہ اور چچی کہہ کر مخاطب کر رہی تھیں۔ ہم نے واپس آ کر سکول کی بہت اچھی رپورٹ لکھی۔ بعد میں مجھے پتہ چلا کہ وہ لڑکی سعودی فرمانروا شاہ فیصل کی بیٹی تھی۔ میں اس سے اتنا متاثر ہوئی اور میں نے سوچا کہ ہمیشہ پھل دار پیڑ ہی جھکتا ہے۔ شاہ فیصل کی بیٹی نے مجھے اتنا متاثر کیا کہ میں کبھی بھی اس کو بھول نہیں سکتی۔

ایک بار میں شاہ فیصل کے بیٹے کی شادی پر گئی' وہاں چونکہ میں ان کی بیٹیوں کو پڑھاتی تھی' اس لئے انہوں نے بہت عزت دی۔ میں نے دیکھا کہ ان کی گھریلو ملازماؤں نے بھی ہیرے اور سونے کے جواہرات پہنے ہوئے تھے۔ اس کے برعکس شاہ فیصل کی بیٹیاں بالکل سادہ لباس میں تھیں۔ میں نے جب بعد میں ان سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ سونا بہت بھاری دھات ہے' اس لئے ہم کیوں اپنے اوپر اتنا وزن ڈالیں اور ویسے بھی اگر ہم زیورات پہنیں گے تو ہمیں خود تو نظر نہیں آئیں گے' اس لئے دوسروں کو پہنا ہوا دیکھ کر زیادہ اچھا لگتا ہے۔ اس دن کے بعد سے میں کسی بھی فنکشن میں کسی قسم کا زیور نہیں پہنتی۔

اپنے والد سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے بارے میں انہوں نے کہا کہ ویسے تو مجھے اپنے اباجان کی تمام باتیں ہی بہت پسند تھیں' مگر ایک قصہ میرے ذہن سے نہیں نکلتا۔ ایک بار میں اپنی بیٹی کے ساتھ خریداری کیلئے بازار گئی ہوئی تھی' بھٹو صاحب کا دور تھا۔ بازار میں میرے والد صاحب کے خلاف کوئی جلوس نکل رہا تھا' جس میں لوگ انہیں بہت گالیاں دے رہے تھے۔ جب ہم گھر واپس آئے تو میری بیٹی نے اباجان کو سب کچھ بتا دیا وہ بہت خوش ہوئے اور خوش ہو کر اس سے مزید تفصیل پوچھنے لگے۔ میں نے اپنی بیٹی کو ڈانٹ کر باہر نکال دیا پھر میں نے اباجان سے کہا کہ لوگ آپ کو گالیاں دے رہے تھے اور آپ اتنے خوش ہو رہے ہیں' تو وہ ایک دم سنجیدہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ میں نے تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ابھی صرف گالیاں ہی کھائی ہیں' پیغمبروں اور اللہ کے نیک لوگوں نے تو پتھر بھی کھائے ہیں۔ یہ اللہ کی راہ کی گالیاں ہیں' اسلئے میں بہت خوش نصیب ہوں کہ یہ میرے حصے میں آئیں۔ یہ ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ (ماخوذ از روزنامہ خبریں' سنڈے میگزین)

ڈاکٹر اسرار احمد ہمیشہ اس بات کے مدعی رہے ہیں کہ موجودہ نظام کا حصہ بن کر انقلاب کی بات محض فریب دینے کے مترادف ہے

”بازگشت“ پر صدائے بازگشت

راجہ انور کے کالم بازگشت میں ڈاکٹر اسرار احمد کے بارے میں

شائع شدہ مغالطہ آمیز امور کی وضاحت ' از قلم : محمد سمیع کراچی

جب کسی معاشرے میں انقلاب کی صدا بلند ہوتی ہے تو نظام کہنہ کے پاسداروں کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں۔ رد عمل کے طور پر پہلے تو اس صدا کو چٹکیوں میں اڑانے کی کوشش کی جاتی ہے اور جب اس پر بھی کام بنتا دکھائی نہیں دیتا تو انقلاب کے داعی کی کردار کشی شروع کر دی جاتی ہے تاکہ داعی حوصلہ ہار بیٹھے اور انقلاب کی باتیں دم توڑ دیں۔ یہ سب ان لوگوں کی جانب سے کیا جاتا ہے جن کے مفادات نظام کہنہ سے وابستہ ہوتے ہیں۔ کچھ اسی قسم کا طرز عمل روزنامہ ”قومی اخبار“ کی ۱۱/ نومبر کی اشاعت میں راجہ انور صاحب کے کالم ”بازگشت“ میں سامنے آیا ہے۔ وہ اپنے کالم میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے بارے میں وزیراعظم کے والد میاں محمد شریف کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ ”ایک زمانہ پہلے جس طرح وہ (میاں محمد شریف) طاہر القادری سے متاثر تھے 'بعینہ وہ آج کل ڈاکٹر اسرار احمد کے حلقہ بگوش ہیں۔ یہ افواہ بھی بازار میں عام ہے کہ ڈاکٹر اسرار ہی کے کہنے پر میاں شہباز شریف نے پنجاب میں سکول کی طالبات کے لئے (افغان طالبان کی مانند) برقع پوشی کا قانون بنایا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ڈاکٹر اسرار کے زیر اثر میاں نواز شریف نے خصوصی عدالتوں کا نظام شروع کیا۔ یہ متوازی عدالتیں دراصل سعودی نظام عدل کی تقلید میں بنائی گئی ہیں تاکہ ادھر مقدمہ لگے اور ادھر فیصلہ ہو جائے۔ انتخابی مہم کے زمانے میں جب نواز شریف یہ کہا کرتے تھے کہ انصاف آپ کے دروازے پر ہوگا تو اس سے ان کا مقصد یہی ”ڈاکٹر اسراری“ انصاف تھا۔ نواز 'عدلیہ تصادم کا ایک پس منظر یہ بھی ہے“۔

ڈاکٹر اسرار احمد کو ہدف تنقید بناتے ہوئے کالم نگار شاید یہ بھول گئے کہ ممتاز شخصیتوں کے حوالے سے افواہوں کو بنیاد بنا کر غلط تاثر دینے کی کوشش صحافتی روایات کے منافی ہی نہیں اخلاقی طور پر بھی ناپسندیدہ ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کو قرآن کے ایک ایسے مفکر کی حیثیت سے جانا جاتا ہے جو اقتدار کی کشمکش سے دور رہ کر معاشرے کے پڑھے لکھے لوگوں میں قرآن کے پیغام کو عام کرنے میں مصروف ہیں تاکہ اس کے ذریعہ سے ایک ایسی تنظیم وجود میں آجائے جس میں شامل افراد نہ صرف اپنے اوپر بلکہ اپنے دائرہ اختیار میں بھی دین کے احکامات لاگو کرنے کے لئے تیار ہوں اور جو اپنی معاشرت اور معیشت کو رزق حرام کے عنصر سے پاک کرنے اور باہم جڑ کر معاشرے میں جاری برائیوں کے خاتمے کے لئے سر پر کفن باندھ کر میدان عمل میں آئیں تاکہ معاشرہ اصلاح پذیر ہو اور اسلامی انقلاب کی راہ ہموار ہو۔ درحقیقت ڈاکٹر صاحب ایمان کی حد تک اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ پاکستان کا استحکام اور بقا صرف اسلام سے وابستہ ہے۔

محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی زندگی ایک کھلی کتاب کی مانند ہے۔ انہوں نے بڑی مستقل مزاجی کے ساتھ خود کو ایوان اقتدار کی راہداریوں سے دور رکھا ہے اگرچہ ڈاکٹر صاحب ضیاء الحق کے دور اقتدار میں ان سے حسن ظن کی بنا پر جو نہایت عارضی ثابت ہوا' دو ماہ تک مجلس شوریٰ کے رکن رہے ہیں لیکن جب ان پر واضح ہو گیا کہ نفاذ اسلام کے نام پر مجلس شوریٰ کا سارا کھڑاگ اپنے اقتدار کو استحکام دینے کے لئے کھڑا کیا گیا ہے تو اس مجلس کی رکنیت کو طلاق دے کر باہر آگئے۔ دوسری جانب انہوں نے ہمیشہ اپنی تقریبات میں حکام کو بلانے سے بھی گریز کیا ہے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ موجودہ نظام کا حصہ بن کر اسلامی انقلاب کی بات کرنا محض اپنے آپ کو فریب دینے کے برابر

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

بحضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم

حافظ لدھیانوی

مرے لب پر ہے مدحت کا ترانہ — نظر میں ہے حضوری کا زمانہ
نرالی شان ہے شہر نبیؐ کی — ہے اس کا حسن عالم میں یگانہ
دکھاتا ہے مدینہ عکس ماضی — سلف کا ہے حسیں آئینہ خانہ
مجھے پیدا کیا امت میں اس کی — وہؐ جس کا منتظر تھا اک زمانہ
وہ جس کا تعلق ہے وحی الٰہی — بیاں اس ذات کا ہے معجزانہ
سکھائی اس نے ہم کو حق شناسی — بتائی ہم کو رمز عارفانہ
ہے جاری فیض اس کا اک جہاں میں — وہؐ جس کی ہے سخاوت بیکرانہ
عطا ان کو کیا نور ہدایت — تھی جاری جن میں رسم جاہلانہ
کیا ہے ان کو مستغنی خدا نے — غلاموں میں ہے شان خسروانہ
مری نعتوں کا ہر اک شعر ہوگا — مری بخشش کا محشر میں بہانہ
در اقدس کی ہے خیرات حافظ
جو مدحت میں ہے رنگ والہانہ

علامہ کلب صادق کی امیر محترم سے ملاقات

علامہ کلب صادق نے امیر حلقہ سندھ و بلوچستان محمد نسیم الدین کی رہائش گاہ پر ۱۱/ نومبر کو امیر محترم سے ملاقات کی۔ اس ملاقات کے دوران ملت اسلامیہ برصغیر پاک و ہند کے مسائل کے حوالے سے باہمی تبادلہ خیال ہوا۔ علامہ صاحب نے کہا کہ علم سے دوری کے نتیجے میں جہالت اور مذہبی فرقہ واریت دونوں ممالک کے مسلمانوں کے مشترکہ مسائل ہیں۔ تاہم یہ مسائل ہندوستانی مسلمانوں سے زیادہ پاکستانی مسلمانوں کو درپیش ہیں جو ایک تشویشناک امر ہے۔ امیر محترم نے فرمایا کہ ہندوستانی مسلمانوں کی دین سے وابستگی کے حوالے سے دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ تقریب کے اجتماعات اور تعمیر مجلس ملی کے زیر اہتمام جلسہ سیرت النبیؐ کے جلسوں میں عظیم اجتماعات نظر آئے۔ لاکھوں ہندوستانی مسلمانوں نے ان اجتماعات میں شرکت کی جس سے ان کی دین سے دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے۔ انہوں نے حیدر آباد دکن میں اپنے جلسہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر ...س ہزار افراد اور پانچ ہزار خواتین کی شرکت کے بارے میں فرمایا کہ خاص بات یہ تھی کہ تقریباً تمام خواتین برقعوں میں ...بوس نظر آئیں۔ پردہ کی اس قدر پابندی تو پاکستان میں بھی ...ظر نہیں آتی۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا ...کہ ہندوستان میں جو مسلمان مقیم تھے ان کی تہذیب و ثقافت ...ر شعائر دین کی پابندی اس لئے قائم تھی کہ وہ مل جل کر ...ہتے تھے جبکہ پاکستان میں ہجرت کے بعد وہ منتشر طور پر ...لف علاقوں میں آباد ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ...ید بدقسمتی یہ ہوئی کہ تحریک پاکستان کے دوران شد و مد کے ...تھ اسلام کے لئے نعرے تو لگائے گئے مگر قیام پاکستان کے ...ر اسلام کے عملی نفاذ میں کوتاہی کی گئی۔ اسلام کے نافذ نہ ...نے کی ایک وجہ مذہبی جماعتوں کا انتخابی سیاست میں حصہ ...ا ہے جس کے نتیجے میں مذہبی فرقہ واریت کو فروغ حاصل ...ا۔

... علامہ کلب صادق نے راشٹریہ سیوک سنگھ کا حوالہ ...یتے ہوئے کہا کہ اس کی مختلف شاخیں ہیں۔ ان کا ملٹری ...ب بجرنگ دل' سیاسی ونگ بی جے پی اور طلباء ونگ چھاترو ...شد ہیں۔ شعبہ تعلیم میں ہندوؤں کی دلچسپی کے حوالے ... انہوں نے فرمایا کہ صرف ایک مندر کے زیر اہتمام ۸۰ ...ج قائم ہیں جبکہ ۳۰ پولی ٹیکنیک ادارے قائم ہیں۔ یہ سب ...رے مندر کے نذرانوں کی رقم سے چل رہے ہیں جس ... نگران آکسفورڈ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہیں۔ ...وں نے فرمایا کہ ہندوستان میں ہندومت کا احیاء ہوا ہے۔ ...ر محترم نے ان باتوں سے قدرے اختلاف کرتے ہوئے کہا ...ہندوستان میں ہندومت کا ہرگز احیاء نہیں ہوا بلکہ جب ...ستانی مسلمانوں نے اندرا گاندھی کا الیکشن میں ساتھ ...ں دیا اور پے در پے ناکامی کا سامنا ہوا تو اس کے نتیجے میں اس "ہندو کارڈ" پلے کیا اور وہ ہندو دیوی کی روپ میں ابھر ...سامنے آئی۔ انہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کے ...ار کی تحسین کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے مشکل حالات میں بھی اپنی دینی اقدار کو قائم رکھا ہے اور شاہ بانو کیس کے دوران انہوں نے بے مثال جرات اور باہمی اتحاد کا مظاہرہ کیا جس کے نتیجے میں وزیراعظم راجیو گاندھی کو بھی گھٹنے ٹیکنے پڑے۔ لیکن اس کے برعکس پاکستان میں ایک فوجی آمر نے خلاف اسلام پرسنل لاء نافذ کئے جبکہ دوسرے فوجی آمر نے گیارہ سال تک اس کالے قانون کو مکمل تحفظ دیئے رکھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اندیشہ ظاہر کیا کہ اگر ہندوستان میں بی جے پی برسراقتدار آگئی تو ہندوستانی مسلمانوں کے لئے مشکلات کا پیش خیمہ ہوگا۔

علامہ کلب صادق نے فرمایا کہ حیرت کی بات یہ ہے کہ ہندو مائتھالوجی "عقائد" میں شہادت اور جہاد کا تصور نہیں۔ امیر محترم نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ گیتا میں کرشن مہاراج کا ایک پورا خطبہ ہے جو جہاد کے فلسفہ کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اس پر علامہ کلب صادق نے فرمایا کہ ہندوؤں کی اصل کتاب تو ویدیں ہیں جس پر امیر محترم نے فرمایا کہ "وید" صرف اہل علم میں معروف ہیں۔ انہوں نے علامہ صاحب سے دریافت فرمایا کہ کیا آپ کے خیال میں ویدوں کا شمار الہامی کتابوں میں ہو سکتا ہے۔ علامہ صاحب نے جواباً فرمایا کہ اس کا جواب ہمیشہ دشوار رہا ہے۔

پاکستان میں امیر محترم کی شیعہ سنی مفاہمت کی کوششوں کو سراہتے ہوئے علامہ صاحب نے کہا کہ لکھنؤ میں شیعہ مفاہمت کے موضوع پر مبنی کتابچہ کو بغور پڑھا گیا اور اس سلسلہ میں ایک مضمون بھی تحریر کیا گیا جو ہندوستان کے اخباروں میں شائع ہوا۔ امیر محترم نے فرمایا کہ ہمارے موقف کی تائید آیت اللہ واعظ زادہ خراسانی نے اپنے دورۂ پاکستان کے دوران کی تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ شیعہ سنی مفاہمت کے نتیجے میں پاکستان میں اسلامی انقلاب جلد رونما ہو سکتا ہے وگرنہ سیکولرزم کا راج چلتا رہے گا۔ بدقسمتی سے پاکستان میں اہل تشیع کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی ہے۔ علامہ کلب صادق نے تجویز پیش کی کہ وہ اس بارے میں ایران کے آیت اللہ سیستانی یا آیت اللہ شیرازی سے استفتاء حاصل کریں۔

امیر محترم نے فرمایا کہ ہندوؤں کی بنیاد پرستی کا توڑ قرآن کی دعوت سے ہو سکتا ہے جس کے لئے مسلمانوں کے لئے لازم ہے کہ وہ سنسکرت زبان کو پڑھیں۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ تجویز مولانا ابوالحسن علی ندوی کی خدمت میں انہوں نے پیش کی تھی۔ علامہ کلب صادق نے فرمایا کہ مولانا منظور احمد نعمانی کے فرزند ارجمند اور جماعت اسلامی کے ایک مقامی رہنما نے بھی سنسکرت کی تعلیم حاصل کی ہے۔ گویا کہ بات چل نکلی ہے۔ (مرتب: محمد سمیع)

حلقہ پنجاب شرقی کے مجلس مشاورت کے پہلے اجلاس کی مختصر روداد

۱۶ نومبر بروز اتوار صبح دس بجے باغ جناح لاہور میں حلقہ لاہور کی مجلس مشاورت کے افتتاحی اجلاس کا آغاز جناب رشید ارشد کی تلاوت قرآن اور ترجمہ سے ہوا۔ امیر حلقہ جناب فیاض حکیم کی زیر صدارت منعقدہ اس اجلاس میں جناب اقبال حسین امیر لاہور شمالی' جناب عمران چشتی امیر لاہور وسطی' جناب فاروق اقبال امیر لاہور جنوبی' جناب محمود عالم میاں امیر لاہور شرقی' جناب رشید ارشد امیر لاہور شرقی نمبر ۲' جناب وسیم احمد امیر لاہور کینٹ کے علاوہ جناب محمد الیاس خان' چوہدری محمد اسحاق' جناب الطاف حسین' سید احمد حسن' ڈاکٹر ابصار احمد' ڈاکٹر یونس طور' جناب محمد مبشر' جناب طارق جاوید' جناب محمد یونس' غازی محمد وقاص' حافظ محمد اقبال' حبیب الرحمٰن' مرزا ندیم بیگ ڈسکوی اور محمد زاشد نے شرکت کی جبکہ ۱۹ اراکین بوجہ تشریف نہ لا سکے۔

مجلس مشاورت کے اجلاس میں تنظیم کے ماہنامہ جریدے "میثاق" کی اشاعت بڑھانے کے لئے مختلف تجاویز پر تبادلہ خیال اور غور و خوض کیا گیا۔ تنظیم اسلامی کی مرکزی مجلس مشاورت کے فیصلہ کے مطابق مقامی تنظیم کے امیر کی تقرری پر دو سال بعد نظر ثانی ہونی چاہئے۔ چنانچہ اس حوالے سے بھی ناظم حلقہ نے مقامی تنظیموں کے امراء کو رفقاء سے مشاورت کے لئے پروگرام ترتیب دینے کی ہدایت کی۔

ناظم حلقہ جناب فیاض حکیم نے تنظیم اسلامی اور لاہور شمالی کے امیر جناب اقبال حسین کو حلقہ کے نائب ناظم کی ذمہ داری سونپی۔ حلقہ کے نگرانی میں کام کرنے والے بیرون لاہور منفرد اسرہ جات کے "نائب ناظم برائے منفرد اسرہ جات" جناب حبیب الرحمٰن کا تقرر کیا گیا۔ حلقہ کی سطح پر ماہانہ بنیاد پر شب بیداری کے پروگرام کے بارے میں مشورہ ہوا' تاریخ اور جگہ کا اعلان جلد ہی کر دیا جائے گا۔ حلقہ کی سطح پر ہر ماہ لازماً ایک دو روزہ دعوتی پروگرام کے انعقاد کا فیصلہ بھی ہوا چنانچہ ۲۹' ۳۰ نومبر کو طارق جاوید صاحب کی قیادت میں دو روزہ پروگرام فیروز والا میں جبکہ ۱۳' ۱۴ دسمبر ۹۷ء ایسا ہی پروگرام ٹاؤن شپ میں منعقد ہوگا' جسے جناب محمد اشرف وصی صاحب کنڈکٹ کریں گے۔

حلقہ کی سطح پر رمضان المبارک کے بعد ریلی کے انعقاد کا فیصلہ بھی کیا گیا۔ رمضان المبارک کی آمد کے پیش نظر منصوبہ بندی کرنے کے لئے رفقاء کی تجاویز پر تبادلہ خیال ہوا۔ طے پایا کہ مقامی امراء رمضان المبارک کے حوالے سے پروگرام کے بارے میں اپنی تجاویز ناظم حلقہ کو تحریری طور پر ارسال کریں۔

اجلاس مشاورت میں حلقہ میں شامل تنظیموں کے امراء نے گزشتہ تین ماہ کی خصوصی کارکردگی رپورٹ پیش کی۔

جناب حبیب الرحمٰن نے تجویز دی کہ کم سے کم دو مقامی تنظیموں کا مشترکہ پروگرام منعقد ہونا چاہئے۔ ناظم حلقہ نے اس تجویز کو پسند کیا۔ مرزا ندیم بیگ نے کہا کہ رمضان المبارک میں افطاری پروگراموں کے ساتھ "تفہیم دین کورس" کا پروگرام منعقد کیا جائے۔ انہوں نے یہ تجویز بھی دی کہ حلقہ کی سطح پر شعبہ نشر و اشاعت قائم کیا جائے۔ دعا کے ساتھ اس مفید پروگرام کا اختتام ہوا۔

(مرتب: محمد ارشد' معتمد حلقہ پنجاب شمالی)

لاہور شمالی کا جلسہ خلافت

ملک میں جاری موجودہ شدید بحران خالق کائنات سے کیئے گئے پچاس سال قبل قیام نظام خلافت کے وعدہ سے مسلسل روگردانی اور انحراف کا نتیجہ ہے۔ بچے کھچے وطن عزیز کی سالمیت کی ضمانت "اسلام کے عادلانہ نظام عدل و قسط کے قیام ہی میں پوشیدہ ہے۔ تاجپورہ ہاؤسنگ اسکیم میں تنظیم اسلامی لاہور شمالی کے زیر اہتمام منعقدہ جلسہ خلافت سے خطاب کرتے ہوئے شمالی تنظیم کے امیر جناب اقبال حسین نے کہا کہ قرآن حکیم اور احادیث نبویؐ کی رو سے کل کرۂ ارضی کا مقدر بالآخر غلبہ اسلام ہے۔ نظام خلافت کے تقاضے اور برکات کے حوالے سے انہوں نے کہا کہ اولاً دستوری سطح پر اللہ کی حاکمیت مطلقہ کو تسلیم کرتے ہوئے کتاب و سنت کی بلااستثنیٰ اور غیر مشروط بالادستی کے لئے آئین پاکستان میں مطلوبہ ترمیم ناگزیر ہے جس کا وعدہ موجودہ وزیراعظم جناب نواز شریف صاحب امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار سے ملاقاتوں کے دوران دو مرتبہ کر چکے ہیں۔ نظام خلافت کے قیام کے نتیجہ میں ریاست تمام شہریوں کی بنیادی ضروریات کی فراہمی کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ سودی نظام اور ارتکاز دولت کے قلع قمع کا سب سے بڑا ہتھیار جاگیرداری نظام کا خاتمہ ہے۔ شرعی حدود و تعزیرات کے نفاذ سے فحاشی' عریانی اور جوئے سٹہ وغیرہ کی لعنتوں کا سدباب ہو گا اور ملک میں خوشحالی کا دور دورہ بھی ہو گا۔ اقبال حسین نے نظام خلافت کے قیام کے نبویؐ طریق کار کو واضح کرتے ہوئے کہا کہ نفاذ اسلام محض دعوت و تبلیغ کے ذریعے ممکن نہیں ہے۔ مزید برآں موجودہ مغربی طرز جمہوریت کے تحت بذریعہ انتخابات بھی نظام خلافت کی منزل ہرگز سر نہیں ہو سکتی بلکہ سیرت نبویؐ سے ماخوذ منہج ہی کو اختیار کر کے اسلام کا احیاء ممکن ہے جس کے لئے ایسے فدائین پر مشتمل منظم انقلابی جماعت تیار کرنا ہو گی جو اپنی معاش اور معاشرت کو ہر قسم کی آلائش سے پاک کرے اور ایک امیر کے ہاتھوں بیعت کر کے سر دھڑ کی بازی لگانے کے لئے کمربستہ ہو۔ ایسے جانثار بالآخر مطلوبہ کیفیت و کمیت کے حصول کے بعد انقلاب ایران کے آخری مرحلہ کی مثال بنتے ہوئے پرامن منظم مظاہروں کے ذریعے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے اسلام کے عادلانہ نظام کے قیام کی راہ ہموار کریں گے۔

(رپورٹ : طارق جاوید)

ضلع باغ' آزاد کشمیر کی تنظیمی سرگرمیاں

یوں تو سارا خطہ کشمیر اپنے حسن کی بنا پر جنت نظیر ہے' لیکن ضلعی صدر مقام "باغ" خوبصورتی کے لئے منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ پہلی پاک بھارت جنگ (۱۹۴۸ء) جس کا آغاز خطہ کشمیر خصوصاً شہر باغ سے ہوا تھا' باغ کے بسنے والے مسلمان مجاہدین نے بے سروسامانی کے باوجود ڈوگرہ سامراج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ الحمدللہ گزشتہ ڈیڑھ سال سے تنظیم اسلامی باغ میں دفتر کا قیام عمل میں لا کر رفقاء تنظیم جن میں راقم جناب عباسی' زین العابدین اور شبیر احمد اعوان نے تنظیمی و دعوتی کام جاری رکھا ہوا ہے۔ باغ شہر کی حد تک ناظم حلقہ آزاد کشمیر جناب خالد محمود عباسی کا ہفتہ وار درس قرآن بروز پیر بعد نماز ظہر جامع مسجد اہل حدیث باغ میں باقاعدگی سے ہو رہا ہے۔ موصوف نے منتخب نصاب کے بیشتر حصوں کا درس مکمل کر لیا ہے۔ علاوہ ازیں "بار روم" باغ میں وکلاء' جج صاحبان اور انتظامیہ کے دیگر افراد کے تعاون سے ماہانہ درس قرآن ہوتا ہے۔ اس کے لئے ساری دوڑ بھاگ رفیق تنظیم جناب عباسی صاحب کرتے ہیں۔ اللہ انہیں مزید توفیق و استقامت عطا فرمائے۔

گورنمنٹ ایلیمنٹری کالج باغ میں گزشتہ ایک مرتبہ ناظم حلقہ آزاد کشمیر کا درس قرآن ہوا تھا۔ یہ درس قرآن کی برکات کا نتیجہ ہے کہ دو ماہ قبل "گورنمنٹ انٹر کالج ملوث" کے پرنسپل جناب عبدالحق صاحب نے اپنے ادارہ کے تحت ہی مسجد میں درس قرآن کی نشست کا اہتمام کیا جس میں ناظم حلقہ نے سامعین کو دینی ذمہ داریوں سے آگاہ فرمایا۔ یہ ادارہ باغ سے تقریباً بیس کلو میٹر دور ہے اور پرنسپل صاحب گزشتہ تین ماہ سے بلاناغہ جامع مسجد اہل حدیث باغ میں ناظم حلقہ کا درس قرآن سننے تشریف لاتے رہے۔ دریں اثناء دفتر تنظیم اسلامی باغ میں تقریباً روزانہ بعد نماز مغرب تا عشاء امیر محترم کی وڈیو کیسٹ دیکھائی جاتی ہے' اس پروگرام میں رفقاء تنظیم کے علاوہ دیگر احباب میں پروفیسر انیس صاحب' پروفیسر اخلاق صاحب گورنمنٹ ڈگری کالج باغ اور سکریٹری سولجر بورڈ باغ جناب مشتاق ہاشمی صاحب شامل ہوئے۔

(مرتب : نذیر احمد اعوان)

اسرہ حسن ابدال کی دعوتی سرگرمیاں

ناظم تربیت جناب رحمت اللہ بٹر صاحب کی آمد کے موقع پر ناظم حلقہ پنجاب شمال کی اجازت سے ۲۳/نومبر کو اسرہ حسن ابدال کے زیر اہتمام دعوتی پروگرام منعقد کیا گیا۔ گلشن اقبال مارکیٹ حسن ابدال میں منعقدہ پروگرام کا عنوان "مطالبات دین" تھا۔ ناظم تربیت نے خطاب کرتے ہوئے مالک اور رب کے تعلق کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ جب ہم خود کسی چیز کے مالک ہوتے ہیں تو یہ توقع رکھتے ہیں کہ ہمارا مملوک ہمہ وقت اور ہمہ جہت ہمارا حکم مانے' لیکن ہم اپنے خالق و مالک کے ساتھ اس تعلق کے حوالے سے خود ڈنڈی مارتے ہیں۔ بٹر صاحب نے بندگی رب کا وسیع تر تصور بیان کیا۔ انہوں نے اپنے خطاب میں ختم نبوت کو عقلی دلائل سے واضح کیا۔ شرکاء پروگرام میں موضوع سے متعلق پرچہ سوالات تقسیم کیا گیا' جس سے احباب کے ساتھ ذاتی رابطہ استوار کرنے میں مدد ملے گی۔

(رپورٹ : اصغر صدیقی)

ناظم اعلیٰ کا دورہ حلقہ آزاد کشمیر

ناظم اعلیٰ جناب عبدالرزاق نے ۱۷ تا ۱۹ نومبر کو حلقہ آزاد کشمیر کا دورہ کیا۔ ۱۷/نومبر کو نماز فجر کے بعد ناظم اعلیٰ راقم کے ہمراہ باغ کے لئے روانہ ہوئے۔ نو بجے صبح مقامی ایلیمنٹری کالج میں ناظم اعلیٰ اور راقم نے فرائض دینی کے جامع تصور کے موضوع کے مختلف گوشوں کی وضاحت کی۔ اس پروگرام میں ساٹھ سے زائد زیر تربیت اساتذہ نے شرکت کی۔ نماز ظہر کے بعد مقامی جامع مسجد اہلحدیث میں ناظم اعلیٰ نے درس قرآن دیا۔ بعد نماز مغرب تنظیم کے مقامی دفتر میں روزانہ دورۂ ترجمہ قرآن کی کلاس کا آغاز ہوا۔ ناظم اعلیٰ نے سورۂ فاتحہ کے ترجمہ سے کلاس کا افتتاح کیا۔

اگلے روز صبح باغ سے واپسی پر گورنمنٹ کالج ملوث میں صبح ۹ بجے ناظم اعلیٰ جناب عبدالرزاق نے "مستقبل اسلام کا ہے" کے موضوع پر ایک گھنٹہ خطاب کیا۔ اس پروگرام میں ڈھائی سو سے زائد طلباء کے علاوہ اساتذہ اور پرنسپل صاحب نے شرکت کی۔ ۱۱ بجے دن تنظیم اسلامی اسرہ رنگلہ کے ساتھیوں سے ملاقات ہوئی جس میں ناظم اعلیٰ نے رفقاء اسرہ سے فرداً فرداً تنظیمی و دعوتی سرگرمیوں کی کیفیت معلوم کی اور ان کے سوالوں کے جواب دیئے۔ تنظیم اسلامی اسرہ جات دھیر کوٹ کے دفتر میں رفقاء تنظیم سے ان کی دعوتی و تنظیمی سرگرمیوں کی کیفیت معلوم کی اور ان سرگرمیوں کو بڑھانے کے ضمن میں ترغیب و تشویق دلائی۔ ناظم اعلیٰ نے رفقاء کے بعض سوالات کے جواب بھی دیئے۔ ۱۹/نومبر کو صبح ۹ بجے راقم کی رہائش گاہ پر بیروٹ کے اسرہ جات کے رفقاء جمع ہوئے اور ان سے تنظیمی و دعوتی امور پر تفصیلی گفتگو اور مشورے ہوئے۔ نماز عصر تنظیم اسلامی حلقہ آزاد کشمیر کے امیر مولانا مظفر حسین صاحب کے گھر سے متصل مسجد میں ادا کی۔ نماز مغرب تک مولانا محترم سے مفصل گفتگو ہوئی۔ بعد نماز مغرب مظفر آباد تنظیم کے رفقاء سے تنظیم کے دفتر میں ملاقات ہوئی۔ بہت سے مقامی مسائل پر گفتگو اور مشورہ ہوا اور رات مولانا کے گھر پر قیام کیا۔ اگلی صبح ناظم اعلیٰ لاہور کیلئے روانہ ہو گئے۔

(مرتب : خالد محمود عباسی)

تنظیم اسلامی راولپنڈی کینٹ کا ماہانہ تربیتی اجتماع

تنظیم اسلامی راولپنڈی کینٹ کے رفقاء کی تربیت کے لئے ۱۴/نومبر کو بعد نماز مغرب ایک تربیتی نشست منعقد ہوئی۔ تلاوت قرآن حکیم کے بعد امیر تنظیم اسلامی راولپنڈی کینٹ جناب رؤف اکبر نے ناظم حلقہ جناب شمس الحق اعوان صاحب کو دعوت خطاب دی۔

انہوں نے سورۃ زمر' نحل اور سورۃ بقرہ کے حوالے سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں میں دو گروہ موجود ہیں۔ ایک گروہ کتاب اللہ پر عمل پیرا ہے جبکہ دوسرا گروہ اللہ' رسولؐ اور کتاب کو مانتا تو ہے لیکن اس پر عمل نہیں کرتا۔ رفقاء تنظیم اس طبقہ کو متحرک کرنے کے لئے بھرپور دعوتی کام سرانجام دیں۔

سورۃ زمر کی آیت نمبر ۱۷ کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ مبارک ہیں وہ لوگ جو طاغوت سے بچ جائیں

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور
سی پی ایل نمبر: 127
جلد ۶، شمارہ ۴۱
سالانہ زرتعاون ۔/۲۵۰ روپے

پبلشر: محمد سعید اسعد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس۔ ریلوے روڈ' لاہور
مقام اشاعت: ۳۶۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: ۵۸۶۹۵۰۱-۰۳

معاونین برائے مدیر:
○ مرزا ایوب بیگ ○ نعیم اختر عدنان
○ سردار اعوان
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

مام انبیاءؑ اور رسلؑ لوگوں کو طاغوت سے بچا کر اللہ کے جوڑنے کا کام کرتے تھے۔ انہوں نے رفقاء پر زور دیا ہ اپنی علمی اور فکری کمی کو دور کریں تاکہ دعوتی میدان رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ آخر میں ناظم حلقہ نے رفقاء کے ت کے جواب دیئے۔ دعا کے ساتھ یہ محفل اختتام ہوئی۔

تنظیم اسلامی راولپنڈی کینٹ کا ماہانہ تربیتی اجتماع

روح انسانی کی غذا کا کام اور حیوانی جسم کو اپنی وت کی بھٹی سے نکالنے کیلئے جس نسخہ اکسیر کی ضرورت ہ قرآن حکیم ہی تو ہے۔ چنانچہ اسی مقصد کیلئے ۱۶/نومبر د از نماز مغرب دفتر تنظیم میں ماہانہ درس قرآن کی ت محفل کا انعقاد ہوا۔ رفیق محترم جناب شمیم اختر نے ۃ نور کے پانچویں رکوع کے حوالے سے درس دیا۔ ں نے کہا کہ اللہ کا کلام اس بات کا گواہ ہے کہ انبیاء اور کو مبعوث کرنے کا مقصد اولین یہی تھا کہ اس دنیا میں و انصاف قائم ہو تاکہ اس کے نتیجے میں انسانیت آگ س گڑھے کا ایندھن بنی ہوئی ہے' اس سے بچ سکے۔ وت کے فریضہ کو ادا کرنے کیلئے معرفت الٰہی کا حصول پنے مقام و منصب کا احساس اجاگر کرنا ہوگا۔ آج بندۂ ں کے اندر ایمان کی روشنی تو موجود ہے لیکن طاغوتی ں وجہ سے وہ روشنی آگے نہیں پھیل رہی چنانچہ امت صلی اللہ علیہ وسلم' جسے دنیا کا امام ہونا چاہئے تھا۔ آج دوسروں کی تگر بن چکی ہے۔ (مرتب: بشیر محمد شاد)

تنظیم اسلامی کراچی ضلع جنوبی کا ایک روزہ پروگرام

تنظیم اسلامی کراچی ضلع جنوبی کے زیر اہتمام ایک تربیتی پروگرام ۱/۱۸ اکتوبر کو رات ۱۰/بجے سے شروع ر ۱/۱۹ اکتوبر کو نماز ظہر کے بعد اختتام پذیر ہوا۔ اس م میں رفقاء جنوبی تنظیم سے پانچ اور شرقی تنظیم سے فیق نے شرکت کی۔ رفقاء کو صبح ساڑھے چار بجے یا گیا۔ سب رفقاء نے انفرادی طور پر نوافل ادا کئے ز فجر تک ذکر اذکار میں مشغول رہے۔ نماز فجر کی ادائیگی محترم عبدالرحمٰن منگورہ نے سورۃ مومنون کی ابتدائی کا درس دیا۔ اس نشست میں رفقاء کے علاوہ ۳ نے شرکت فرمائی۔ وقفہ کے بعد امیر محترم کا خطاب ر بمقام الحمرا ہال لاہور بعنوان "کیا پاکستان بتدریج خود ں طرف بڑھ رہا ہے" سنا گیا۔ اس پروگرام میں جنوبی کے پانچ مزید رفقاء' وسطی نمبر ایک سے ایک رفیق اپنے دینی بھائی کے ساتھ شریک ہوئے۔ الحمراء ہال کی سوال و جواب کی نشست بھی ملاحظہ کی گئی اور اس پر تبصرہ بھی ہوا۔

بعد ازاں رفقاء سے دعائے قنوت سنی گئی۔ امیر تنظیم نے رفقاء کو اجتماعات میں پابندی کے ساتھ شرکت کرنے اور اپنے اوقات میں روزانہ کم از کم ڈیڑھ گھنٹہ فارغ کر کے تنظیم کی دعوت کو پھیلانے کے لئے کہا۔ اس کے بعد دستور تنظیم اسلامی کی پہلی چار دفعات کا اجتماعی مطالعہ ہوا۔ جس میں رفقاء تنظیم کے مطلوبہ اوصاف بھی شامل تھے۔

(مرتب: واحد علی رضوی)

بقیہ: جواب آں غزل

ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی حق گوئی اور بے باکی سے بھی عوام اچھی طرح واقف ہیں کہ وہ بڑی سے بڑی شخصیت سے مرعوب ہوئے بغیر ہمیشہ حق بات کہتے رہے ہیں اور اس بارے میں کبھی کسی قسم کی مصلحت کو آڑے نہیں آنے دیا۔ اسی حق گوئی کا فریضہ ادا کرنے ہی کی غرض سے ڈاکٹر صاحب نے نواز شریف صاحب کو ان کے والد محترم کے توسط سے کچھ مشورے ضرور دیئے ہیں کہ جن پر اگر عمل کیا جاتا تو بقول ریٹائرڈ جنرل حمید گل وطن عزیز میں نرم انقلاب (Soft Revolution) برپا ہو سکتا تھا۔ ان تجاویز کی تفصیل ڈاکٹر صاحب نے کئی بار اخبارات کے ذریعے عوام کو بتائی ہے۔ اور یہ بات بھی منظر عام پر ہے کہ اس کے بعد شریف فیملی کی طرف سے دوبارہ کوئی رابطہ نہیں کیا گیا اور نہ اب تک عملدر آمد ہوا ہے' جس کے نتیجے میں آج نواز شریف صاحب کو اس ہزیمت کا سامنا ہے جس سے پاکستان کی نصف صدی کی تاریخ میں کسی بھی حکمران کو واسطہ نہیں پڑا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب کا اب بھی یہی موقف ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہیوی مینڈیٹ کے ذریعے اپنے اقتدار کے استحکام کی بجائے قرآن و سنت کی بالا دستی قائم کرنے میں جلدی کریں تو آخرت ہی میں نہیں اس دنیا میں بھی کامیاب و کامران ہوں گے۔ آخر میں موصوف کالم نگار کی خدمت میں عرض ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمد اور سعودی عرب کی آڑ میں انہوں نے جس طرح اسلامی نظام معاشرت و نظام تعزیرات کا مذاق اڑانے کی بھونڈی کوشش کی ہے' اس کے لئے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور معافی کے خواستگار ہوں۔ اور آئندہ بغیر تصدیق کئے بات آگے پہنچانے کی روش سے بھی توبہ کر لیں کیونکہ احکامات الٰہیہ کے بارے میں اسی غیر سنجیدہ رویے کی بنا پر آج پاکستان اس حال کو پہنچا ہے۔

اطلاعات / دعا کی درخواست

- عبدالرشید معتمد دفتر حلقہ پنجاب شمالی کی آنکھوں کے موتیے کا آپریشن ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان کی اہلیہ پر فالج کا اٹیک ہوا ہے۔ انہوں نے دعاؤں کی درخواست کی ہے۔
- رفیق تنظیم نیاز احمد کی خوش دامن صاحبہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ رفقاء و احباب سے دعاؤں کی درخواست ہے۔
- لاہور وسطی کے نوجوان رفیق نثار احمد خان کے والد قضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔ مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

نامے میرے نام

مخدومی حافظ عاکف سعید صاحب

السلام علیکم! ۲۱ نومبر کو ندائے خلافت میں نعت شائع ہوئی۔ شکریہ! میں کوشش کرتا ہوں کہ نعت میں سیرت مطہرہ کے پہلو اجاگر ہوں۔ قادر الکلام شعراء نے نعت میں ہدیہ عجز ہی پیش کیا ہے۔ جس کا ممدوح خداوند کریم ہو' ملائکہ مقربین ہوں اور کلام مجید۔ محدود فکر و فہم رکھنے والا انسان محبوب خدا کی توصیف کیسے کر سکتا ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے بائیس نعتیہ دواوین لکھے ہیں اٹھارہ شائع ہو چکے ہیں چار نعتیہ دیوان شائع ہونا باقی ہے۔

الحمد اللہ نہ شہرت کی آرزو ہے نہ دولت کی مقصد نعت نگاری کا صرف یہ ہے کہ بارگاہ رسالت ﷺ میں کوئی شعر کوئی مصرع مقبول ہو کر بخشش کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ ۱۹۳۸ء سے ۱۹۶۵ء تک غزل کہی' مشاعروں کی واہ واہ بھی سنی اب کس کی تعریف' کسے محبوب بناؤں کسی مشہور شاعر نے غزل طلب کی' میں نے اسے نعت کا شعر سنایا ؎

نعت محبوبِ خدا ہے مرے فن کی معراج
چھوڑ کر وادیٔ گل کون بیاباں میں رہے

آپ سے اور آپ کے اراکین سے مودبانہ درخواست ہے کہ میرے خاتمہ بالخیر کی دعا کریں اور جو کچھ لکھا ہے بارگاہ ایزدی میں مقبول و منظور ہو کر نجات کا ذریعہ بن جائے۔

دعا گو و دعا جو
حافظ لدھیانوی